ماہنامہ

کراچی

آنکھ مچولی

اپریل ۱۹۹۶ء

فروغِ تعلیم نمبر

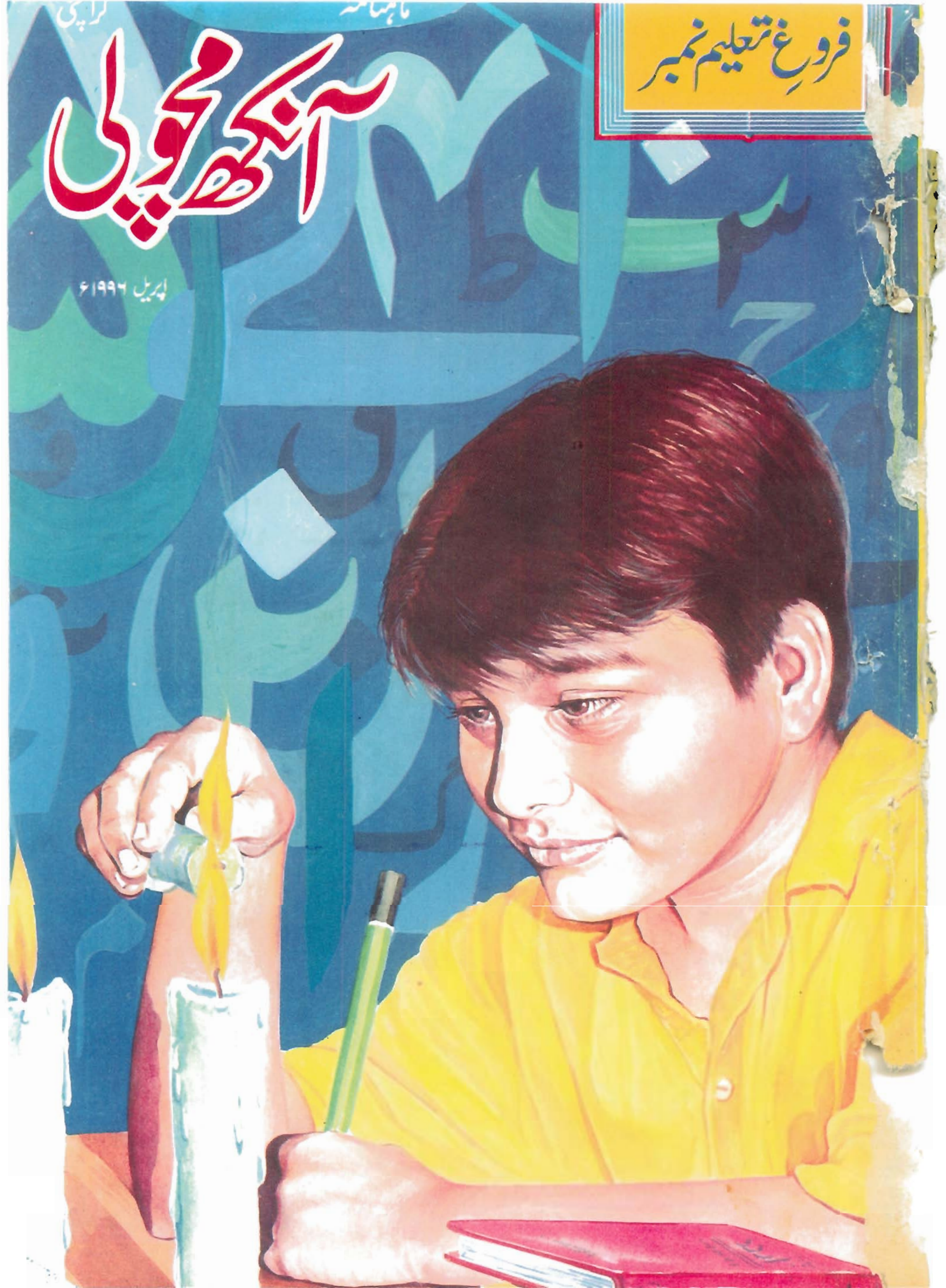

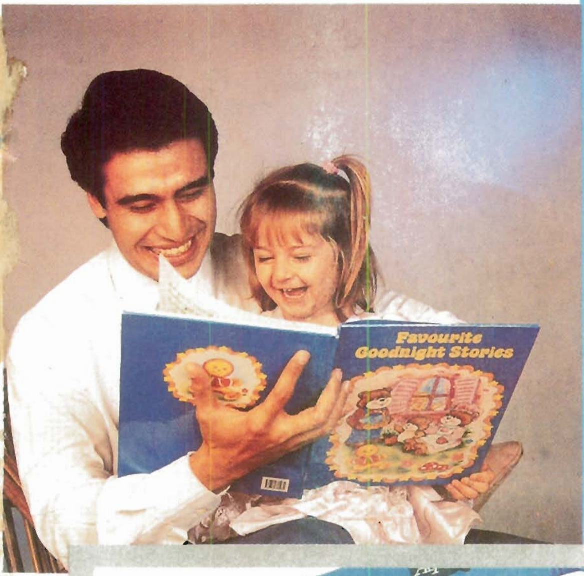

When asked what he thought was the most endearing feature in his daughter's face he said,

"Her smile."

Ôra III has a unique triple action formula that fights plaque, controls tartar with a clinically proven tartar fighter, and freshens breath all in the same brushing. Ensuring healthy teeth and gums. And the most wonderful, eye-catching, attractive head turning smile that you could possibly have.

Ôra III. *If you haven't tried it, chances are your smile hasn't made anyone sit up and take notice. Yet!*

ICI Pakistan Limited
Consumer Products

or really clean teeth, fight tartar with Ôra III.

تحفہ وہ جو یاد رہے

تحفہ دینا اظہارِ الفت بھی ہے، باعثِ محبّت بھی اور نبیؐ کی سُنّت بھی

تحفہ ہر

آپ کے خلوص کا اظہار اور آپ کے ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے

اپنے دوستوں اور پیاروں کو سالگرہ کا تحفہ دیجیے۔ مگر ایسا جو سال بھر یاد رہے

آنکھ مچولی ایسا ہی تحفہ ہے

آپ ہمیں اپنے دوست کا نام، مکمل پتہ، سالگرہ کا دن اور 280 روپے کا منی آرڈر روانہ کیجیے۔ ہم ایک خوب صورت برتھ ڈے کارڈ اور سال بھر کے لیے آنکھ مچولی آپ کے دوست کو بھجواتے رہیں گے۔ ماہ بہ ماہ تازہ شمارہ آپ کے دوست کو آپ کی محبتوں کی یاد دلاتا رہے گا۔

یاد رہے کہ آنکھ مچولی کے دس عام اور ۲ خاص شماروں کی سالانہ قیمت معہ رجسٹرڈ ڈاک خرچ 444 روپے بنتی ہے۔ مگر خصوصی تحفہ اسکیم کے لیے صرف 280 روپے

اِس رعایت سے آج ہی فائدہ اُٹھائیے

منی آرڈر فارم پر نام اور پتہ مفصل لکھیے!

مشرقِ وسطیٰ کے لیے 650 روپے

امریکہ اور یورپ کے لیے 830 روپے

سستا اور انوکھا سالگرہ کا تحفہ

منی آرڈر اس پتے پر روانہ کیجیے

سرکولیشن مینیجر: ماہنامہ آنکھ مچولی اے پی آئی بی کالونی کراچی

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

"ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں"۔ پوچھا گیا یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟۔ آپؐ نے فرمایا "جب تم مسلمان بھائی سے ملو تو اُس کو سلام کرو، جب وہ دعوت دینے کے لئے مدعو کرے تو اُس کی دعوت قبول کرو، جب وہ تم سے نیک مشورے کا طالب ہو تو اُس کی خیرخواہی کرو اور نیک مشورہ دو، جب اُس کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو اُس کے جواب میں یرحمک اللہ کہو، جب وہ بیمار پڑجائے تو اُس کی عیادت کرو اور جب وہ مرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ"۔

(مسلم)

عطیہ اشتہار

حاجی فتح محمد میمویل آرگنائزیشن

۷، حسن لشکری اسٹریٹ، بادشاہی روڈ کراچی

۸۷، بلاک نمبر ۷، خانیوال

نئی نسل کے اَدب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

ذیقعد / ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ — اپریل ۱۹۹۶ء

جلد ۱۶ — شمارہ ۱۰

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رُکن پاکستان جلڈرنز میگزین سوسائٹی

MEMBER APNS

مدیر اعلیٰ: ظفر محمود شیخ

منتظم اعلیٰ: تجمل حسین چشتی

مدیر اعزازی: ڈاکٹر طاہر مسعود

مجلس ادارت: محمد عمر احمد خان

مینیجر اشتہارات: عمران احمد

تزئین: دانش اختر

مصور: سلمان خان

فون نمبر: ۴۹۴۲۸۵۷ ۴۹۴۸۲۱۰

ماہ نامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی

ماہ نامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن وحدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار وواقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ماہ نامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضیاءالدین میموریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا۔

خط وکتابت کا پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۰-۱ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

قیمت: ۱۸ روپے — ۷ درہم ۷ ریال

ناشر ظفر محمود شیخ - طابع زاھد علی - مطبع لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

ظُلم اور دہشت کے خلاف ایک احتجاج

آنکھ مچولی کا

خصُوصی شمارہ

مظلوم بچّے نمبر

ایک خصُوصی دستاویز

جُون ۱۹۹۶ء میں منظرِ عام پر آرہا ہے

وہ پھُول سے کومل بچّے
جو گلی کوچوں میں بے گناہ قتل کر دیے گئے
اسکول جانے والے بچّے
جو اسکول سے لوٹ کر گھر نہیں آئے
تاوان وصول کرنے کے لیے اغوا کیے جانے والے بچّے
جن کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا
اور وہ تمام بچّے
جو کسی نہ کسی ظلم اور دہشت کا شکار ہو گئے
ان بچّوں کے بارے میں آنکھ مچولی میں
جیتے جاگتے فیچر، جیتی جاگتی تصویریں، الم ناک کہانیاں، اداس کر دینے والی نظمیں، مظلوم والدین کے انٹرویوز

آپ بھی لکھیے

اگر آپ کے شہر یا محلّے میں ایسے کسی بچّے کا اغوا یا قتل ہوا ہو تو معلومات جمع کیجئے اور مضمون یا فیچر تحریر کیجئے۔
یہ ایک قومی خدمت بھی ہوگی اور تحریر کا معاوضہ بھی ملے گا!

مضامین بھیجنے کا پتہ: مدیرِ اعزازی ماہ نامہ آنکھ مچولی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

حسنِ ترتیب

سنہرے حروف	محمد سلیم امام	۸
ماہِ رواں کی پہلی بات	مدیرِ آنکھ مچولی	۹
حمدِ باری تعالیٰ	جنید حفیظ	۱۰
نعتِ رسولِ مقبولؐ	ریاض احمد	۱۱
ان پڑھ باپ اور عالِم بیٹے کا قصہ	محمد طارق انصاری	۱۲
قرآن رُشد و ہدایت	محمد شہزاد خان	۱۵
اِنشاءاللہ اِنشاءاللہ (نظم)	مولا بخش	۱۹
شمعیں جلائے رکھنا	اِنعامی کہانی	۲۰
علمِ پھیلاؤ	اسلم فرخی	۲۵
فروغِ تعلیم (نظم)	افشاں بشیر	۳۲
حضرت ادریسؑ کی کہانی	اظہر علی خان	۳۴
پتھر کی پلیٹ	فاروق حسن چانڈیو	۳۸
ہم کہاں کھڑے ہیں	ابوغازی محمد	۴۲
نیک بچہ (نظم)	شبیر بیگ ناز	۴۸
جنّت ماؤں کے قدموں تلے	شمع انعام	۴۹
ذِکر کچھ ڈاکٹری نُسخوں کا	محمد بن مالک	۵۱
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سلمان خان	۵۶
جگنو	شمائلہ قاسم	۶۰
سائنس میں مُسلمانوں کے کارنامے	راشد محمود	۶۴
چلتے ہیں اُستاد ہمارے (نظم)	سیّد محمد طلحہ	۶۶
راستوں کا احترام	شبنم عُمر	۶۷
دُنیا کی نایاب نسل	محمد شہزاد خان	۷۲
بچّوں کے ادب میں سائنسی کہانی	محمد اسلام نشتر	۷۸
زندہ زمین (آخری حصہ)	محمد عادل منہاج	۸۳
صحت مند رہنے کے اُصول	غُلام عباس طاہر	۸۹
چٹاخ پٹاخ (لطائف)	قارئین	۹۱
یادداشت بڑھایئے	محمد سلیم شاکر	۹۴
عمل سے زندگی بنتی ہے	سہیل احمد صدّیقی	۹۷
ریڈیو اور ایف ایم ۱۰۰!	محمد ظریف	۱۰۲
جاؤ نوکری کرو (آخری حصہ)	الطاف حُسین	۱۰۷
پانی زندگی ہے	ہما صابر	۱۱۰
اِستنبول (آخری حصہ)	الطاف حُسین	۱۱۲
نبی کریمؐ نے فرمایا	نادیہ کوثر	۱۱۵
مقابلہ معلوماتِ عامہ	ادارہ	۱۱۶
اخبارِ آنکھ مچولی	لعل بخش	۱۱۸
بنامِ آنکھ مچولی	قارئین کے خطوط	۱۱۹
بلّی، جہاز اور جڑی بوٹیاں	ریحانہ محبوب	۱۲۲
ذہین کون	شمائلہ قاسم	۱۲۵
وزیرِ تعلیم کی معصومیت	آصف اِقبال	۱۲۷
نظامِ شمسی کی موت	ذیشان احمد زکریا	۱۲۸
آخری بات		۱۳۰

سنہرے حروف

نظام الملک گیارہویں صدی کے عظیم مدبّر اور سلطان شاہ سلجوقی کے وزیرِ اعظم تھے۔ ان کا معمول تھا کہ اپنے ہاں آنے والے عُلما کی بڑی قدر افزائی کرتے۔ ان کو پوری پوری وقعت دیتے اور ان کا احترام ملحوظ رکھتے۔ وہ ہمیشہ چند قدم آگے بڑھ کر عُلما کا استقبال کرتے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں اپنی مسند سے قریب لاتے اور اپنے دائیں بائیں بٹھاتے اور توجہ انہماک سے ان کی باتیں سنتے۔ عُلما ان کے ہاں سے رخصت ہوتے تو مطمئن ہوتے کہ ان کی عزت افزائی میں کوئی کمی نہیں کی گئی ہے لیکن پھر بھی انہوں نے ایک عجیب بات محسوس کی کہ ایک عالمِ دین ایسے بھی ہیں جو آتے ہیں تو نظام الملک طوسی ان کا استقبال کرنے دروازے تک جاتے ہیں انہیں بڑی محبت سے اپنے ساتھ لاتے ہیں اور اپنی مسند پر بٹھاتے ہیں اور یہ واضح طور پر ایسا سلوک تھا جسے سب نے دیکھا اور محسوس کیا اور ایک دن یہ بات زبانوں پر بھی آگئی۔ عُلما میں سے ایک نے شکایت کے انداز میں نظام الملک طوسی سے کہا : "عُلما دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی محفل میں امتیازی سلوک بھی ہوتا ہے۔" نظام الملک طوسی نے کہا "ہاں ہوتا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ ہوگی۔"

سوال کیا گیا : "آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" نظام الملک طوسی نے کہا : "دراصل ان عالمِ دین میں اور دوسرے عُلما میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔" نظام الملک طوسی کی یہ بات سن کر تمام عُلما حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ نظام الملک طوسی نے کہا : "آپ حضرات مجھے میرے محاسن سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ میں اسے بھی اہمیت دیتا ہوں، لیکن وہ جو آتے ہیں اور جنہیں میں ہمیشہ اپنی مسند پر جگہ دیتا ہوں وہ مجھے، میرے عیوب سے آگاہ کرتے ہیں!!"

محمد سلیم امام، متحدہ عرب امارات

پہلی بات

مدیر آنکھ مچولی

تعلیم اللہ کا انعام ہے اور انسانیت کا زیور۔ اس سے ہی زندگی میں دل کشی اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ تعلیم اعتماد، اطمینان اور طاقت بخشتی اور عفو، درگزر، برداشت، ہمدردی اور دوسروں کے کام آنے کا سبق سکھاتی ہے۔ زندگی گزارنے کا سلیقہ، چرند، پرند، شجر حجر، پہاڑ، جنگل، سمندر، طوفان سیلاب پر قابو پانا انسان نے تعلیم سے ہی سیکھا ہے۔ تعلیم ہی سے انسان فضا کی وسعتوں میں اُڑا، سمندر کی گہرائیوں میں گیا اور آسمان کی بُلندیوں پر پہنچا۔

سب سے بڑا انسان وہ ہے جس کے پاس تعلیم کی نعمت ہو۔ تعلیم اخلاق سکھاتی ہے۔ دل میں اطمینان اور دُنیا میں عزّت کا رتبہ بخشتی ہے۔

بعض لوگ جانتے تو کم ہیں لیکن سمجھتے ہیں کہ ہم بہت کچھ جانتے ہیں گویا تھوڑا علم رکھ کر اپنے آپ کو بہت علم والا سمجھتے ہیں۔ تھوڑا سا علم حاصل کرنا اور سمجھ لینا کہ بہت کچھ جان لیا ہے، سخت نقصان دہ ہے۔ ایسے لوگوں سے تو وہ جاہل اچھا ہے جسے اس بات کا احساس تو ہوتا ہے کہ میں نہیں جانتا اور مجھے علم حاصل کرنا چاہئے۔ ایسا آدمی سیکھ سکتا ہے اور جان سکتا ہے جبکہ تھوڑے علم والا ہمیشہ لا علم رہتا ہے۔ پیارے نبی کریمؐ نے اسی لئے فرمایا : "علم حاصل کرو ماں کی گود سے لے کر قبر کی گود تک۔"

تعلیم میں اُستاد کو بڑا مقام حاصل ہے۔ اُستاد کا ادب سعادت مندی کی نشانی ہے۔ اُستاد علم کی وجہ سے بہت سی باتیں منٹوں میں بتادیتا ہے۔ جس شخص نے اُستاد کا ادب نہیں کیا وہ علم کی قدر بھی نہیں کرسکتا۔ ایسا شخص بے ادب بے نصیب ہوتا ہے۔

تعلیم ہی سے انسان میں شعور آتا ہے اور وہ ملک و قوم کے لئے مُفید ثابت ہوتا ہے لیکن ہمارے ملک کا نظام طبقاتی حصّوں میں بٹ چکا ہے۔ ناانصافی، ناہمواری اور عدم مساوات کا احساس بڑھتا جارہا ہے، صوبائی اور وفاقی بجٹوں میں تعلیم کے لئے ناکافی رقوم اور ناقص تعلیمی پالیسیاں فروغِ تعلیم میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں جس کی وجہ ہم کروڑوں افراد کی چھپی ہوئی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اُٹھاسکتے۔ پھر قومی زبان میں میڈیکل، انجینئرنگ اور اہم شعبہ جات کی تعلیم کا نہ ہونا بھی تعلیم کے فروغ اور ایک قوم ہونے میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اس پرآشوب دور میں جب کہ تعلیم قوم کی ترقی اور خوشحالی کے لئے نہایت اہم ضرورت بن گئی ہے، اسے حاصل کرنا اور پھیلانا بڑی ہمّت اور نیکی کا کام بن گیا ہے۔ اس روشنی کو خود بھی حاصل کیجئے اور دوسروں تک بھی پہنچایئے کہ چراغ سے چراغ جلیں گے تو ہمارے ملک سے جہالت، ظلم اور ناانصافی کا اندھیرا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مِٹ جائے گا.....!!

حمد باری تعالیٰ

جنید حفیظ، اسلام آباد

میرا اللہ قُدرت والا عزّت والا عظمت والا
ثانی اس کا کوئی نہیں ہے ہمسر اس کا کوئی نہیں ہے
خالق وہ ہے آقا وہ ہے ہر اِنساں کا داتا وہ ہے
سارا جیون مہک اُٹھا ہے میرا مولا مجھ میں چھُپا ہے
عزّت والا عظمت والا قُدرت والا میرا اللہ
کتنی پیاری دُنیا بنائی اِنسانوں سے اس کو سجائی
فلک بنایا، بنائے تارے چاند اور سورج، جگ مگ سارے

جُھکو جُنید اسی کے آگے
تاکہ شیطاں جلدی بھاگے

نعتِ رسولؐ

شاعر : حفیظ تائب انتخاب : محمد ریاض، حیدر آباد

کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا میرے نبیؐ سے بڑھ کر سچّا
بات اس کی عُمدہ سے عُمدہ کام اس کا اچھے سے اچھا
دانائی کا روشن سُورج لُطف و کرم کا بہتا دریا
سیدھی راہ دِکھانے والا جگ کا ہادی، رب کا پیارا
چاند کیا دو ٹکڑے اس نے وہ سُورج کو واپس لایا
عبداللہ کے دِل کا ٹُکڑا آمنہ کی آنکھوں کا تارا
دُنیا نے سیکھا ہے اس سے ہر اِنسان کی خِدمت کرنا

فیض جہاں میں عام ہے اس کا
پاک محمدؐ نام ہے اس کا

ان پڑھ باپ اور عالم بیٹے کا قصّہ

مدینہ شہر کا ایک تاریخی واقعہ

محمد طارق انصاری

آج ہم آپ کو ایک ایسے غلام کا تاریخی قصّہ سُنا رہے ہیں جنہوں نے علم و فضل کی دنیا میں نہایت اعلا مقام حاصل کیا۔ ان بزرگ کا ربیعہ نام تھا "رائی" لقب تھا اور ابو عثمان کنیت تھی۔ ان کے والد کا نام ابو عبدالرحمٰن فروخ تھا یہ آل منکدر کے غلام تھے۔ ان کی پیدائش اور تعلیم کا عجیب واقعہ ہے حضرت ربیعہ کے والد حضرت ابو عبدالرحمٰن فروخ کو بنو امیّہ کے زمانے میں خراسان کی ایک مہم پر جانا پڑا۔اس وقت ربیعہ مادرِ شکم میں تھے۔ فروخ نے چلتے وقت اپنی بیوی کے پاس تیس ہزار دینار گھر کے اخراجات کے لئے چھوڑے۔ خراسان پہنچ کر کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ فروخ ستائیس برس تک وطن (مدینہ) نہ آسکے۔ ربیعہ کی والدہ نہایت روشن دماغ اور عقل مند خاتون تھیں۔ ربیعہ سنِ شعور کو پہنچے تو تعلیم کے لئے اعلیٰ انتظام کیا اور جتنا

روپیہ پاس تھا سب ان کی تعلیم پر خرچ کر ڈالا۔

ستائیس برس کے بعد جب فروخ مدینہ واپس آئے تو بڑی شان سے گھوڑے پر سوار تھے اور ہاتھ میں نیزہ تھا۔ مکان پر پہنچ کر نیزے کی نوک سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دستک سُن کر ربیعہ دروازے پر آئے۔ اس وقت باپ بیٹے آمنے سامنے تھے لیکن ایک دوسرے سے بالکل ناآشنا تھے۔ ربیعہ نے فروخ کو اجنبی سمجھ کر کہا "اے دشمنِ خدا تو میرے مکان پر حملہ کرتا ہے؟" فروخ بولے "نہیں بلکہ اے دشمنِ خدا تو میرے حرم (زنان خانے) میں گھسا ہوا ہے۔"

اس پر بات بڑھ گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے پر دست و گریباں ہو گئے۔ شور وغل کی آواز سے آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے۔ ہوتے ہوتے یہ خبر امام مالک بن انسؒ کو بھی پہنچ گئی۔

ربیعہ اس وقت گو عمر کے لحاظ سے نوجوان تھے لیکن علم و فضل میں ان سے سبق لیتے تھے امام مالکؒ اور ان کے ساتھی بعض دوسرے بزرگ اس لئے یہاں آئے تھے کہ اپنے استاد حضرت ربیعہ کی امداد کریں۔ امام مالکؒ جس وقت وہاں پہنچے تو ربیعہ فروخ سے کہہ رہے تھے : "خدا کی قسم! میں تم کو بادشاہ کے پاس لے جائے بغیر نہ مانوں گا۔" اس پر فروخ نے کہا، "اور میں بھی تم کو بادشاہ کے سامنے پیش کئے بغیر نہ رہوں گا کیوں کہ تم یہاں میرے گھر میں گھسے ہوئے ہو۔" لوگ درمیان میں بیچ بچاؤ کرا رہے تھے لیکن شور برابر بڑھتا ہی رہا۔ جب لوگوں نے امام مالک بن انسؒ کو آتے ہوئے دیکھا تو سب چُپ ہو گئے۔ امام مالکؒ نے آتے ہی فروخ سے کہا، "بڑے میاں" آپ کسی دوسرے گھر میں قیام کر لیجئے فروخ بولے۔ "یہ تو میرا ہی گھر ہے میرا نام فروخ ہے اور میں بھی بنو فلاں کا غلام ہوں۔" حضرت ربیعہ کی ماں نے اندر جو آواز سُنی تو باہر نکل آئیں اور فروخ کو دیکھ کر کہنے لگیں : "ہاں! یہ فروخ میرے شوہر ہیں اور یہ ربیعہ میرے لڑکے ہیں۔ فروخ جب خراسان کی مہم پر جا رہے تھے ربیعہ میرے شکم میں تھے۔" اس حقیقت کے کُھل جانے پر باپ بیٹے دونوں بے اختیار لپٹ گئے اور خوب روئے۔ اب فروخ گھر میں داخل ہوئے۔ بیوی سے ربیعہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "یہ میرا بیٹا ہے؟" وہ بولیں "ہاں!" تھوڑی دیر کے بعد فروخ نے بیوی سے اس روپیہ کے متعلق دریافت کیا جو خراسان جاتے ہوئے ان کو دے گئے تھے اور کہا "لو میرے پاس یہ چار ہزار دینار اور ہیں۔" وہ سب روپیہ حضرت ربیعہ کی تعلیم پر خرچ ہو چکا تھا۔ لہٰذا بیوی بولیں "میں نے وہ مال دفن کر دیا ہے چند روز کے بعد نکال دوں گی ابھی

طالب علم کی حاضر جوابی

ایک دن احمد شاہ قاچار، والیٔ ایران نے اپنے وزیر حاجی مرزا قاسی سے پوچھا۔ "بتاؤ! سامنے والے بڑے حوض میں کتنے پیالے پانی ہیں؟"

وزیر نے جواب دیا۔ "یہ سوال آپ کسی طالب علم سے پوچھیں جو اس کے علم کے متعلق کچھ اندازہ رکھتا ہو۔" چنانچہ ایک طالب علم کو بُلایا گیا۔

طالب علم نے دریافت کیا : "سرکار! وہ پیالہ کتنا بڑا ہوگا؟ اگر پیالہ آدھے حوض کے برابر ہے تو دو پیالے پانی حوض میں ہوگا اگر پیالہ حوض کا تہائی ہوا تو تین پیالے اور اگر چوتھائی ہوا تو چار پیالے۔"

احمد شاہ اس حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا اور طالب علم کو معقول انعام سے نوازا۔

ایسی بھی کیا جلدی ہے۔" اب سنیے ادھر حضرت ربیعہ اپنے مقررہ وقت پر مسجد نبوی تشریف لے گئے اور درس دینا شروع کردیا جس میں امام مالکؒ حسن بن زید، ابن ابی اور مدینے کے دوسرے بزرگ شریک تھے۔ حضرت ربیعہ کی والدہ نے فروخ سے کہا "جاؤ مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو چناچہ فروخ مسجد نبوی پہنچے اور نماز پڑھی اور پھر انہوں نے دیکھا کہ درسِ حدیث کا ایک زبردست حلقہ قائم ہے۔ گویا بہت بڑی کلاس ہو رہی ہے۔ جس میں پڑھنے والے خود بھی عالم فاضل لوگ ہیں فروخ کو سننے کا شوق ہوا حلقے کے قریب چلے آئے لوگوں نے ان کو دیکھ کر راستہ دینا شروع کردیا حضرت ربیعہ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جُھکا لیا اور ایسے ہو گئے کہ گویا انہوں نے دیکھا ہی نہیں۔ فروخ اس حالت میں انہیں شناخت نہ کرسکے لوگوں سے پوچھا "یہ کون ہیں؟" جواب ملا "ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن۔" فروخ نے سُنا تو خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ سینہ فخر سے تن گیا۔ کہنے لگے "اللہ نے میرے بیٹے کا مرتبہ بلند کیا ہے" جب گھر واپس آئے تو بیوی سے بولے "میں نے آج تمہارے بیٹے کو ایسی شان میں دیکھا ہے کہ کسی صاحبِ علم کو نہیں دیکھا۔" اب حضرت ربیعہ کی والدہ نے کہا، "آپ کو کیا چیز زیادہ پسند ہے وہ تیس ہزار دینار یا یہ علمی مرتبہ؟" فروخ بولے۔ "نہیں، خدا کی قسم مجھے یہ فضیلت زیادہ پسند ہے۔"

یہ سُن کر بیوی نے کہا، "میں نے وہ سب روپیہ اسی پر صرف کردیا ہے۔" فروخ کا چہرہ خوشی سے کِھل اُٹھا بولے۔

"نیک بخت تم نے وہ روپیہ صحیح خرچ کیا ہے۔"

قرآن رشد و ہدایت

جانوروں کے ذریعے تعلیم

محمد شہزاد خان کستوری

قرآنِ حکیم کتابِ ہدایت ہے اور انسانوں کی فلاح کے لئے نازل کی گئی ہے۔

قرآنِ کریم میں ہدایت کے لئے بہت ہی فطری طریقے بتائے گئے ہیں اِنسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے ماحول سے بہت کچھ سیکھتا ہے جانوروں سے اور جانداروں سے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں کئی جگہ مختلف جانوروں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو تعلیم سِکھائی ہے۔

۱۔ مکڑی : (عنکبوت)

مکڑی کو عربی میں عنکبوت کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں "سورۃ عنکبوت" مکڑی کے نام سے ہے اور اس کی آیات میں مکڑی کا ذکر بڑے ہی عمدہ اور تمثیلی انداز سے کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا۔

"جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان لوگوں کی مثال مکڑی کی سی

مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔ اگر وہ حقیقتِ حال کو جانتے تو ایسا نہ کرتے۔" (سورہ عنکبوت، آیت نمبر ۴)

مکڑی کا جالا اپنی کمزوری کے لئے مثال ہے۔ قرآن انسان کی عقل اسی جالے کی طرف کراتا ہے اور انہیں مِثال دیتا ہے کہ توحید کو ترک کرنے والے اور شرک میں مبتلا ہونے والے اپنے زعم میں ایسے گھروں میں محفوظ ہو گئے ہیں حالانکہ ان کے عقیدہ شرک کی کمزوری جالے کی سی ہے۔

۲۔ چیونٹی : (النمل)

عربی میں چیونٹی کو "نمل" کہتے ہیں۔ اور اس کے نام پر بھی ایک سورۃ النمل ہے جو قرآن کی ۲۷ ویں سورۃ ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر چیونٹی کے اتحاد و فہم کی بدولت واقعہ سلیمان کے حوالے سے کیا گیا ہے کہ ایک بار جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر چلا جاتا تھا کہ ایک میدان آیا جس میں چیونٹیوں کا ایک لشکر تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو دیکھ کر چیونٹیوں کے سردار نے اپنے عوام سے جلدی جلدی بِلوں میں گھس جانے کا کہا۔ حضرت سلیمانؑ اس کی اس بات پر حیران رہ گئے۔ اس کے بعد آپ میں گفتگو بھی ہوئی جس سے اس مخلوق کی فراست آپ پر کھلی اور آپ سجدۂ شکر بجالائے چنانچہ قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

"حتیٰ کہ (اور مسلمان بمع لشکر کے) چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے کہا) کہ اے چیونٹیوں اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ کہیں تمہیں سلیمانؑ اور ان کا لشکر بے خبری میں کچل نہ ڈالے۔" (سورہ النمل، آیت نمبر ۱۸)

۳۔ گدھا :

گدھا وہ جانور ہے جو اپنے مخصوص طرز آواز کی وجہ سے باعثِ عبرت ہے۔ عربی میں اسے حمیر (مذکر) اور حمارہ (مونث) کہتے ہیں۔ گدھے کی آواز کو بُلند اور کریہہ ہونے کی بنا پر ناپسندیدہ قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت لقمانؑ نے بھی اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ آواز کو بُلند نہ کرو کیونکہ یہ بھی نافرمانی اور غرور کی نشانی ہے۔ اس سے بچو۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

"اور اپنی آواز کو پست رکھو۔ بے شک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھے کی ہے۔"
(سورہ لقمان، آیت نمبر ۱۹)

۴۔ ہُدہُد :

حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں ہُدہُد ان کا قاصد ہوا کرتا تھا۔ ایک روز وہ ملکہ بلقیس کی خبر لے کر آیا اور دربار میں کافی دیر تک نہ آیا۔ جس

سے حضرت سلیمانؑ کو غصّہ آیا اور انہوں نے عہد کیا کہ ہُدہُد کو بغیر کسی معقول وجہ کے سزا دوں گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"اور (ایک بار) سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی تو (ہدہد کو نہ دیکھا) فرمانے لگے یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا کیا کہیں غائب ہو گیا ہے۔
میں اس کو (غیر حاضری پر) سخت سزا دوں گا۔"

۵۔ ابابیل اور ہاتھی :

یہ دونوں جانور بہت مختلف ہیں۔ مگر قرآن شریف میں ان کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے کہ ان سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ہر سیر کو اس دنیا میں سوا سیر موجود ہے اور خدا کے نزدیک کوئی بڑا، بڑا نہیں اور کوئی چھوٹا، چھوٹا نہیں۔ اسی وجہ سے ابراہہ حاکم یمن جو عیسائی تھا اور خانہ کعبہ تباہ کرنے ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا تھا، کو معمولی ابابیلوں کے جھنڈ کے ذریعے کنکریوں سے ہلاک کیا گیا۔ یہ واقعہ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵۰ روز پہلے ہوا۔ سورۃ الفیل (ہاتھی) میں اس کا اظہار یوں ہوتا ہے۔

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا اور ان پر غول کے غول پرندے ابابیل بھیجے جنہوں نے انہیں کھایا ہوا بھس کر دیا۔" (سورۃ الفیل)

۶۔ شہد کی مکھی :

قرآن مجید میں شہد کی تعریف کی گئی اور شہد کی مکھی کا بطور خاص ذکر کیا ہے جو طویل صبرو مشقّت کے بعد پُھول پھول سے قطرہ قطرہ جمع کرنے کے بعد شہد تیار کرتی ہے۔ گویا صبرو محنت کا پھل شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے۔ "النحل" عربی میں عموماً" شہد کی مکھی کو ہی کہا جاتا ہے۔
(ارشادِ باری تعالیٰ ہے)

"آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں اور جو لوگ عمارتیں بناتے ہیں ان میں پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوستی پھر، پھر اپنے رب کے راستوں میں چل جو آسان ہیں اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی رنگت مختلف ہوتی ہے اور ان میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔" (۶۸ ۶۹)

اب ہم ایسے چیدہ جانوروں کا ذکر کرتے ہیں جو کسی نہ کسی واقعے کے زیر اثر آئے۔)

۷۔ کتّا :

اصحابِ کہف کے واقعے میں کتّے کا ذکر آتا ہے جو اصحابِ کہف کا ساتھی تھا اور ان کے ساتھ غار کی دہلیز پر آج تک موجود ہو گا۔

"اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پاؤں پھیلائے ہوئے تھا۔" (۱۱۸، سورۃ کہف)

۸۔ سانپ :

حضرت موسیٰؑ کے معجزہ عصا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے۔

"اور اے موسیٰؑ تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ سو جب انہوں نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا کہ جیسے سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ (النمل، ۹)

۹۔ خچر گھوڑے :

یہ ہماری مدد کے لئے بنائے گئے ہیں کہ کار آمد ہیں، خود قرآن فرماتا ہے۔

"اور گھوڑے اور خچر اور اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے بھی۔" (الخیل ۔گھوڑا، الیفضال۔ خچر)

۱۰۔ مچھلی :

اس کو "حوت" کہتے ہیں اس کا ذکر سورۃ یونس کے حوالے سے ملتا ہے۔ اسے مون بھی کہا گیا ہے۔ دوسرا حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں جب وہ خضرؑ سے ملاقات کے لئے جاتے ہیں۔

سورہ والصّٰفّٰت میں ہے۔

"پھر ان (یونسؑ) کو مچھلی نے نگل لیا اور یہ اپنے آپ کو ملامت کررہے تھے۔ سو اگر اس وقت وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے۔" (۱۴۴ والصّٰفّٰت)

البدن (اونٹ، گائے)

قرآن میں ان کی قربانی کا اصل مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

"اور قربانی کے اونٹ کو ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے۔ ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں۔ سو تم ان پر کھڑے کرکے (ذبح کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو پس جب وہ کسی کروٹ کے بل گر پڑیں تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو۔ ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیرِ حکم کردیا تاکہ تم شکر کرو۔

(الحج، ۳۶)

صالحؑ کی اونٹنی :

قرآن میں حضرت صالحؑ جو قوم ثمود پر مبعوث ہوئے تھے "معجزہ اونٹنی" کا ذکر کیا ہے جو ایک پتھر کی چٹان سے نکلتی تھی مگر نافرمان قوم نے اسے مار کر اپنی ہلاکت کا سامان کرلیا تھا۔ چنانچہ سورہ الشمس میں ہے۔

"سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی۔" (الشمس، ۱۴)

اَنشاءاللہ اَنشاءاللہ

شاعر : طالب حسین طالب

انتخاب : مولا بخش

صبح کروں گا، شام کروں گا
نیک اور اچھے کام کروں گا
روشن اپنا نام کروں گا
انشاء اللہ انشاء اللہ

ہو کر میں اسکول میں داخل
علم کروں گا شوق سے حاصل
بنوں گا میں انسانِ کامل
انشاء اللہ انشاء اللہ

چھوٹوں سے میں کروں گا اُلفت
اور بڑوں کی کروں گا عزت
پاؤں گا دنیا میں عظمت
انشاء اللہ انشاء اللہ

وقت نہ میں برباد کروں گا
سبق خوشی سے یاد کروں گا
خوش اپنے اُستاد کروں گا
انشاء اللہ انشاء اللہ

ادیب بتائیے انعام پائیے

یہ کہانی بچوں کے ایک مقبول مصنف کی کہانیوں کی کتاب سے ان کے شکریے کے ساتھ انتخاب کی گئی ہے۔ آپ کو اس مصنف اور ان کی..... کتاب کا نام بتانا ہے۔ بالکل دُرست جواب ارسال کرنے والے دس ساتھیوں کو خوبصورت رنگا رنگ کتابیں انعام میں دی جائیں گی...... جوابات ارسال کرنے کی آخری تاریخ ۳۰ اپریل ۹۱ء ہے!

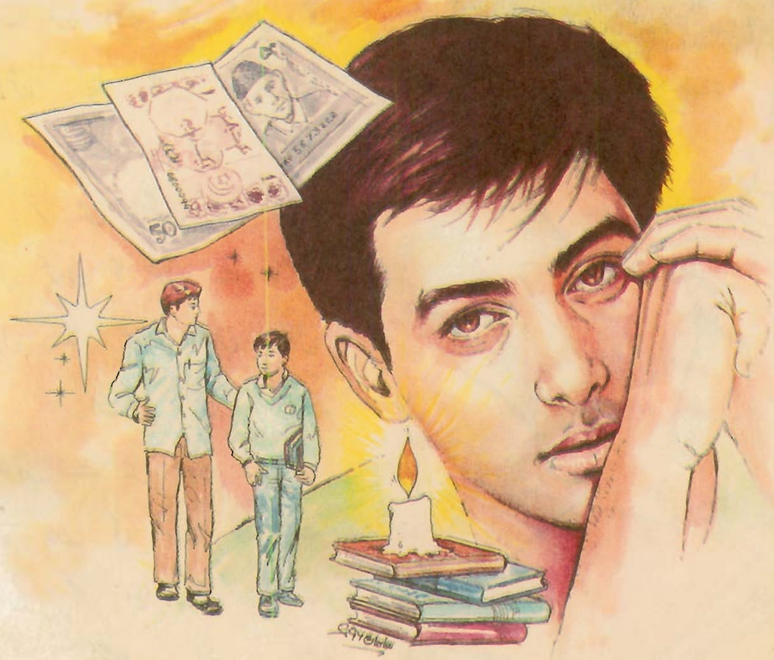

شمعیں جلائے رکھنا

ناظم نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اکیاون روپے کی رقم اس کے ہاتھ میں آگئی وہ سوچنے لگا: "یہ اکیاون روپے میری مجبوریوں کا سہارا نہیں

بن سکتے۔"

ہاں اگر ان میں ڈیڑھ سو روپے اور شامل کر دیئے جائیں تو کام بن سکتا تھا۔

آج بی۔اے کے امتحان کی فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ تھی جب کہ تنخواہ ملنے میں ہفتہ پڑا تھا۔

اس کی تنخواہ تھوڑی تھی گھر کا خرچ زیادہ تھا' اس کی ساری تنخواہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہی گھر میں خرچ ہو جاتی تھی۔

ناظم کے سامنے بہت سارے مسئلے تھے۔ بہن بھائیوں کی تعلیمی فیسوں کے' کاپی کتابوں کے' یونیفارم اور ان کے جوتوں اور کپڑوں کے۔

ناظم اتنے سارے مسائل حل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی تنخواہ بہت تھوڑی تھی جب کہ مسائل بہت زیادہ تھے۔ اس لئے جب وہ مسئلوں کو حل کرنے کی کوشش کرتا تو پتا چلتا کہ تنخواہ مسئلوں میں حل ہو گئی۔ تنخواہ ختم ہو جاتی لیکن مسائل کم نہ ہوتے۔

وہ ہر مہینے اپنے لئے کوئی نہ کوئی چیز خریدنے کا ارادہ بناتا۔ اس کا جوتا تقریباً" پھٹ چکا تھا۔ کئی سال سے وہ ایک ہی سوٹ سے کام چلا رہا تھا۔ حالانکہ ان سالوں میں اس کے دوستوں نے کتنے ہی سوٹ بدل ڈالے تھے۔ ناظم کچھ پیسے بچا کر کبھی اپنے لئے بازار سے کوئی پرانا سوٹ خریدنا چاہتا تو اس کی ماں اس کے سامنے گڈو کا مسئلہ لے آتی۔

"دیکھو ناظم! اس کے دونوں جوڑے پھٹ چکے ہیں۔ میں انہیں سی سی کر تنگ آچکی ہوں۔ اب تو یہ جوڑے پہننے کے قابل ہی نہیں ہیں۔"

ماں کی یہ بات سُن کر ناظم اپنے جمع شدہ پیسوں سے گڈو کے لئے نیا کپڑا لے آتا اور جب ماں گڈو کا جوڑا پرانی سی کھٹارا مشین پر سی لیتی اور گڈو نیا جوڑا پہن لیتا تو ناظم کو یوں محسوس ہوتا جیسے وہ جوڑا گڈو نے نہیں بلکہ خود اس نے پہنا ہو۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ جوتا خریدنے کے لئے پیسے بچالیتا تو اسے معلوم ہوتا کہ ببلی تین دن سے چپل میں اسکول جا رہی ہے۔ مس نے سزا کے طور پر اسے دھوپ میں ننگے پیر کھڑا کر دیا ہے۔ وہ سوچتا :

"ببلی کی مس کتنی ظالم ہیں۔ وہ لوگوں کی مجبوریوں کو کیوں نہیں سمجھتیں؟" پھر وہ اپنے دُکھ اور غصّے کو چُپ چاپ برداشت کر لیتا اور اپنے جمع شدہ پیسوں سے اسی وقت ببلی کے لئے نئے جوتے لے آتا۔ پھر دوسرے دن ببلی کو نئے جوتوں میں اسکول جاتا دیکھ کر اس کی روح سرشار ہو جاتی اور وہ اپنے پھٹے ہوئے جوتوں کو بھول جاتا۔

باپ کے مرنے کے بعد وہی اپنے بہن بھائیوں اور ماں کا واحد سہارا تھا اور بڑے حوصلے

سے اس ذمّے داری کو پورا کررہا تھا۔ دفتر سے آکر ناظم منہ ہاتھ دھوتا، کھانا کھاتا، کچھ دیر آرام کرتا۔ پھر ٹیوشن پڑھانے نکل جاتا۔ رات کو جب وہ گھر آتا تو اتنا تھک چکا ہوتا کہ بس کھانا کھاتے ہی اس کا دل سونے کو چاہتا۔ لیکن ابھی اسے بہن بھائیوں کو بھی تو پڑھانا ہوتا تھا۔ وہ اپنے بہن بھائیوں کو بڑا آدمی بنانا چاہتا تھا اس لئے بڑی محنت سے انہیں پڑھاتا۔ انہیں پڑھانے کے بعد وہ خود بھی پڑھتا۔ اپنے دماغ میں علم کی شمع کو روشن کرتا۔

مہنگائی کے اس دور میں گھریلو حالات نے اس کی کمر توڑ دی تھی، لیکن وہ بڑی جواں مردی اور خندہ پیشانی سے مردانہ وار حالات کا مقابلہ کررہا تھا۔ جو غم اسے ملتے تھے وہ ہنس کر انہیں اپنے سینے سے لگاتا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد گھر کی ساری ذمّے داری اس کے نازک کاندھوں پر آن پڑی تھی۔

ناظم میٹرک میں پورے صوبے میں اوّل آیا تھا۔ اخبارات میں اس کی تصاویر اور انٹرویو چھپے تھے۔ اس نے ایک اخباری نمائندے کے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ پڑھ لکھ کر وہ انجینئر بننا چاہتا ہے۔ اسے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ ہمیشہ انجینئر بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ تصور ہی تصوّر میں وہ خود کو انجینئر بنا محسوس کرتا تھا۔ لیکن باپ کے مرنے کے بعد اس کا یہ حسین خواب ٹوٹ گیا تھا وہ انجینئر تو نہ بن سکا البتہ ایک سرکاری ادارے میں اسے کلرک کی نوکری مل گئی اور یہ نوکری بھی اسے بڑی جوتیاں چٹخانے کے بعد ملی تھی۔

اس کا انجینئر بننے کا خواب پورا نہ ہوسکا تھا۔ تاہم باپ کے مرنے کے بعد اس نے کسی نہ کسی طرح اپنی تعلیم جاری رکھی اور پھر انٹر میں شان دار نمبروں سے کام یابی حاصل کرنے کے بعد بی اے میں داخلہ لے لیا۔ بی اے کی کتابیں مہنگی تھیں اور ناظم کے بس میں انہیں خرید کر پڑھنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک دوست سے وقتی طور پر چند کتابیں لے کر نوٹس بنالیے تھے۔ اور چند کتابیں اس شرط پر اُدھار لیں تھیں کہ امتحانوں سے چند مہینے پہلے ہی وہ کتابیں واپس کردے گا۔

دن پر دن گزرتے جارہے تھے۔ امتحانات نزدیک آگئے تھے۔ بی۔اے کی امتحانی فیس جمع کرنی تھی لیکن گھریلو خرچوں اور پھر بہن بھائیوں کے پاس ہو کر اگلی کلاسوں میں جانے کی وجہ سے وہ ٹیوشنز کے تمام پیسے ان کی کاپی، کتابوں، نئے جوتوں، ان کی داخلہ فیسوں اور یونیفارم پر خرچ کرچکا تھا۔ جتنے پیسے اس کے پاس آتے تھے اس سے زیادہ خرچ ہوجاتے تھے، مگر پھر بھی اسے اُمید

تھی کہ وہ سیٹھ احسان والی ٹیوشن سے اپنی امتحانی فیس جمع کرادے گا۔

آج بی اے کی فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ تھی اور ناظم نے یہ سوچ کر دفتر سے چھٹی لی تھی کہ وہ پہلی ہی فرصت میں سیٹھ احسان کے پاس جاکر انہیں مسئلہ بتائے گا۔ اسے پوری امید تھی کہ سیٹھ احسان اس کی مجبوری کے پیش نظر اسے ٹیوشن کے پیسے پیشگی ادا کردیں گے، لیکن جب وہ ان کے بنگلے پر پہنچا تو اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں پہنچنے پر چوکیدار سے اسے پتا چلا کہ سیٹھ صاحب تو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ایک ہفتے کے لئے سیرو تفریح کی غرض سے اسلام آباد جاچکے ہیں۔ چوکیدار کے منہ سے یہ بات سُن کر ناظم کو چکر سا آگیا۔

ناظم سوچنے لگا ڈیڑھ سو روپے کسی دوست سے قرض ہی لے لوں لیکن پھر اسے اپنا یہ خیال ترک کرنا پڑا۔ مہینے کے آخری دن تھے۔ اور ناظم کو یقین تھا کہ کوئی بھی اسے قرض نہ دے سکے گا۔

سیٹھ احسان کے گھر کے سامنے ایک ہرابھرا پارک نظر آرہا تھا۔ ناظم تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا پارک میں داخل ہوگیا۔ پارک میں چاروں طرف ہری ہری گھاس سبز مخمل کے قالین کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ جابجا رنگ برنگے خوب صورت پھول کِھلے ہوئے تھے۔ جن کی بھینی بھینی خوشبو نے فضا کو پُرکیف بنادیا تھا اور ان پھولوں پر اُڑتی ہوئی رنگ برنگ تتلیوں نے ماحول پر ایک دل فریبی کی سی کیفیت طاری کردی تھی۔

ناظم گھاس پر بیٹھ گیا، لیکن پارک کا یہ خوب صورت ماحول اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اکیاون روپے کی رقم اس کے ہاتھ میں آگئی۔ وہ سوچنے لگا :

"یہ اکیاون روپے میری مجبوری کا سہارا نہیں بن سکتے۔"

ناظم سوچنے لگا، میری تعلیم کا ایک سال ضائع ہوجائے گا۔ عِلم کی جس شمع کو وہ روشن رکھنا چاہتا تھا، اس کی لو پیسوں کی کمی کے باعث مدہم ہوچلی تھی۔

ناظم کی آنکھوں میں اُمید کی آخری کرن بھی ماند پڑگئی کیوں کہ اب ایک بج چکا تھا اور فیس جمع کرانے کا وقت گزر چکا تھا۔ ناظم کا ایک قیمتی سال پیسوں کی کمی کے باعث ضائع ہوچکا تھا اور اُمید کی آخری کرن بجھ چکی تھی۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا پارک سے باہر نکل آیا۔ اسے اپنے ایک قیمتی تعلیمی سال کے ضائع ہونے کا شدید افسوس ہورہا تھا۔ بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے، لیکن اس نے

کمالِ ضبط کے ساتھ ان آنسوؤں کو پی لیا۔ وہ کتنے ہی صدمات اپنے سینے پر بڑی بہادری کے ساتھ جھیلتا آیا تھا یہ صدمہ بھی اسے سہنا تھا سو اس نے بڑے حوصلے کے ساتھ اس صدمے کو سہہ لیا، اس تلخ گھونٹ کو پی لیا۔

ناظم تھکے تھکے قدموں سے گھر کی طرف چلا جارہا تھا کہ اچانک وہ چونک اُٹھا۔ اسے کسی کی معصوم سسکیاں سُنائی دے رہی تھیں۔ بے اختیار مڑ کر ناظم نے دیکھا۔ بارہ تیرہ سال کا ایک بچہ اسکول کے گیٹ کے باہر کھڑا رو رہا تھا۔ ناظم اس بچے کے قریب گیا پھر شفقت سے اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا :

"کیا ہوا مُنّے؟ کیوں رو رہے ہو؟"

بچے نے اس کے لہجے میں ہمدردی کا جذبہ محسوس کر کے اپنا سر اوپر اُٹھایا اور سسکیاں لیتے ہوئے بتایا کہ ماسٹر صاحب نے اس کا نام کاٹ دیا ہے۔

"مگر کیوں؟" ناظم نے پوچھا۔

"فیس جو جمع نہیں کرائی۔ میری امّی کے پاس فیس کے پیسے نہیں ہیں۔"

"کیا تمہارے ابو کوئی کام نہیں کرتے؟" ناظم نے پوچھا۔

"میرے ابو مر گئے ہیں!"

بچے کی یہ بات سُن کر ناظم تڑپ اُٹھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ بچہ اس کا چھوٹا بھائی گڈو ہو۔ بڑی محبّت سے اس نے بچے کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر بڑے شفقت آمیز لہجے میں اس نے بچے سے پوچھا :

"کتنی فیس دینی ہے تمہیں؟"

"اکیاون روپے!" بچے نے جواب دیا۔

"آؤ میرے ساتھ!"

ناظم بچے کو ساتھ لے کر ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس گیا اور بچے کی فیس جمع کرادی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے بچے کا نام رجسٹر میں درج کر لیا تو بچے کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ناظم کا اپنا ایک تعلیمی سال تو ضائع ہو گیا تھا لیکن اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اس کے اکیاون روپے کام آگئے تھے۔ اس نے ایک بُجھتے ہوئے چراغ کو گل ہونے سے بچالیا تھا۔ اسکول سے باہر آنے کے بعد ناظم نے بڑی محبّت سے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر کہا :

"تمہارے چہرے پر خوشی دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہو رہی ہے پڑھ لکھ کر جب تم بڑے آدمی بن جاؤ تو اس دن کو کبھی نہیں بھولنا۔ اپنے دل میں دوسروں کے لئے محبت کا جذبہ بیدار رکھنا۔ کہ چراغ سے چراغ جلیں تو بہت روشنی ہوتی ہے۔ بڑے ہو جاؤ تو یہ کام ضرور کرنا۔ شمعیں جلائے رکھنا۔"

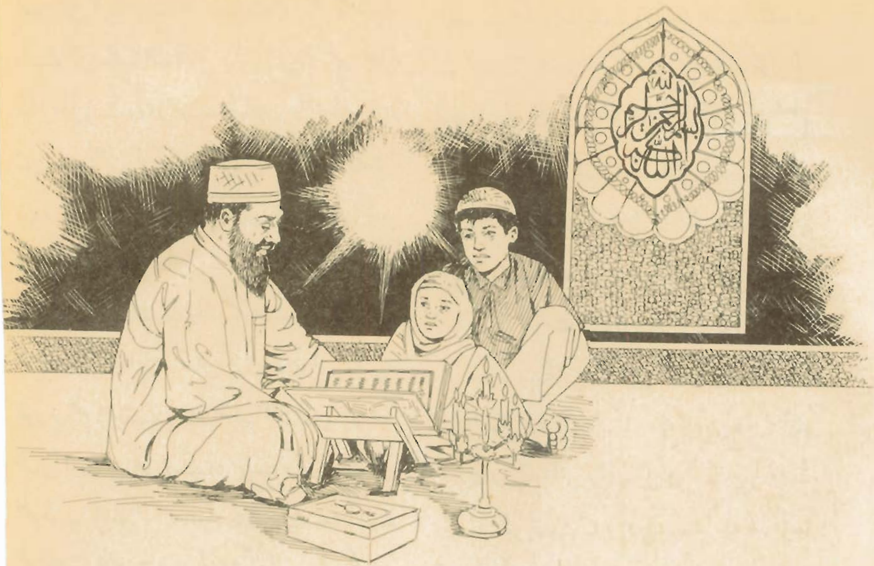

عِلم پھیلاؤ

ڈاکٹر اسلم فرخی

اللہ تعالیٰ نے جب پہلے انسان حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو انہیں چیزوں کے نام بھی سکھائے یہ بات گرہ میں باندھ لینے کی ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم سکھایا۔ علم کے معنی ہیں جاننا۔ کسی شخص کے بارے میں جاننا۔ کسی چیز کے بارے میں جاننا۔ حال احوال جاننا۔ اچھے بُرے کو سمجھنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے پیدا کرنے والے کو سمجھنا اور اس کا حکم ماننا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے نیک انسان بھیجے جنہوں نے انسانوں میں علم پھیلایا۔ ان کو دُنیا کے بارے میں بھی بتایا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتایا۔ یہ سب کے سب بڑے زبردست اور اللہ والے انسان تھے۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کے نام آپ بھی جانتے ہوں گے۔ یہ سب پیغمبر بھی تھے یعنی

اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے تھے اور علم سکھانے والے بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ سکھایا تھا انہوں نے وہ دوسرے انسانوں کو سکھایا۔ ان میں سے بعض کو کتابیں بھی ملی تھیں۔ توریت' زبور اور انجیل ایسی ہی کتابیں ہیں۔ ان نیک لوگوں اور آسمانی کتابوں سے ساری دنیا میں علم پھیلا۔ یہ نفع پہنچانے والا علم تھا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے انسان گزرے جو اپنے اپنے طور پر علم پھیلاتے رہے سقراط' افلاطون' ارسطو' لقمان اور اس طرح کے دوسرے لوگوں سے بھی علم خوب پھیلا مگر آہستہ آہستہ لوگوں نے سارے علم بھلا دیئے اور جہالت کی زندگی گزارنے لگے۔

عرب کے مشہور شہر مکے سے تین میل کے فاصلے پر ایک غار ہے۔ غارِ حرا اس کا نام ہے۔ اندر جانے اور بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اب سے کوئی چودہ سو برس سے پہلے کی بات ہے کہ اس غار میں ایک صاحب اللہ کی یاد میں خاموش بیٹھے ہوتے تھے۔ غار میں اندھیرا تھا مگر ان کا خوبصورت چہرا چاند کی طرح چمک رہا تھا جس سے غار میں اُجالا محسوس ہوتا تھا۔ یہ صاحب جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا' مکے کے ایک بڑے مشہور قبیلے قریش کے انتہائی نیک' ایماندار اور سب کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے والے نوجوان تھے۔ اس زمانے میں قریش اور سارے عرب کے لوگ جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نہ اللہ کو مانتے تھے نہ ان کا طریقہ اچھا تھا۔ بتوں کی پُوجا کرتے تھے اور بالکل غافل تھے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ ڈھنگ ان سب سے بالکل علیحدہ تھا۔ نہ بتوں کی پوجا' نہ غفلت ہر وقت یہ سوچتے رہتے تھے کہ ہمارا پالنے والا کون ہے؟ انسانوں کی جہالت کیسے دور ہو سکتی ہے؟ غفلت کا کیا علاج ہے؟ اسی فکر میں کھانے پینے کا سامان لے کر غارِ حرا چلے جاتے۔ کئی کئی دن وہاں بیٹھے سوچتے رہتے۔ اس وقت بھی وہ اپنے پیدا کرنے والے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ ایک آواز سُنائی دی۔ "پڑھ اس خدا کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے۔ اس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حُکم سُنا تو سوچ میں پڑ گئے۔ سوچنے لگے مجھے تو پڑھنا نہیں آتا۔ مگر حُکم یہی تھا کہ اللہ کے حُکم سے پڑھو اور اس کے معنی یہ بھی ہوئے کہ خود پڑھو اور سارے انسانوں کو پڑھاؤ۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکل کر اپنے مکان تشریف لے گئے۔ اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کو ساری بات بتائی۔ وہ آپ کو اپنے

ایک رشتہ دار ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ توریت، زبور اور انجیل کے عالم تھے۔ بڑے پڑھے لکھے اور عقل مند آدمی سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے پورا واقعہ سُنا تو کہا۔ آپ نے جو آواز سُنی وہ فرشتے کی آواز تھی۔ دوسرے پیغمبر بھی یہ آواز سُن چکے ہیں۔

پڑھنے کا حکم ملا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عِلم پھیلانا شروع کیا۔ سب کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتانے لگے۔ بتایا کہ بُت پرستی چھوڑ دو بُری عادتوں سے بچو۔ اللہ سے لو لگاؤ۔ وہی عبادت کے لائق ہے اچھی اور نیک عادتیں اختیار کرو۔ جو اچھے اور نیک لوگ تھے وہ اس تعلیم سے بڑے خوش ہوئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر دھیان دینے لگے۔ آپ سے عِلم سیکھنے لگے۔ یہ سب لوگ مُسلمان کہلائے۔ شریر اور خراب آدمیوں نے آپ کی باتوں پر بہت بُرا مانا۔ یہ لوگ لکیر کے فقیر تھے۔ عِلم کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی عقل نہیں رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تنگ کیا۔ بڑے آزار پہنچائے یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے ظلم سے تنگ آکر اللہ تعالیٰ کے حکم سے عرب کے ایک اور شہر مدینے چلے گئے اور وہاں رہنے لگے۔ مکے والوں نے حضرتؐ کو وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے لڑائیاں ہوئیں اور آخر کار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے والوں پر فتح حاصل ہو گئی۔ مکہ تو کیا سارا عرب اور آہستہ آہستہ ساری دُنیا میں اِسلام پھیل گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کتاب بھی عطا فرمائی تھی۔ قرآن مجید۔ جو کاغذ پر بھی لکھی ہوئی ہے اور یاد رکھنے والوں کے دلوں میں بھی محفوظ ہے۔ سب سے بڑی کتاب۔ علم کا سب سے بڑا مرکز۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام ساتھیوں کو اس کتاب کی تعلیم دی۔ سارا عِلم سِکھا دیا۔ لکھنا پڑھنا عام ہو گیا۔ عِلم عام ہو گیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عِلم کو کتنا ضروری سمجھتے تھے۔ اسے ایک واقعے سے سمجھئے۔

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینے آگئے تو مکے کے کافروں سے جو پہلی جنگ ہوئی وہ بدر کے مقام پر ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اسے جنگِ بدر کہتے ہیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے اللہ کے فضل سے کافروں کو مار بھگایا۔ بہت سے کافر قید کر لئے گئے۔ کچھ جنگی قیدی بن گئے بعض جنگی قیدی جرمانہ ادا کر کے چھوٹ گئے۔ بعض ایسے تھے جن کے پاس جرمانہ ادا کرنے کی رقم نہیں تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم

دیا کہ ان میں سے جو لوگ لکھنا جانتے ہیں وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھادیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ لکھنا علم کی کُنجی ہے۔ جو لکھ سکتا ہے وہ پڑھ بھی سکتا ہے۔ سمجھ بھی سکتا ہے۔ اپنے لوگوں میں علم پھیلانے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی قیدیوں کو کسی جُرمانے کے بغیر چھوڑ دیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؐ نے علم پھیلانے کی کتنی کوشش کی۔ اس کوشش سے سارا مدینہ اور بعد میں سارا عرب علم کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ سارے عرب سے لوگ آتے۔ جماعتیں آتیں۔ حضرتؐ کی خدمت میں کچھ وقت گزارتیں، علم کی ضروری باتیں سیکھتیں اور پھر اپنے وطن واپس جاکر علم پھیلانے میں مشغول ہوجاتیں۔ ایک دفعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ دو حلقے بنے ہوئے ہیں ایک حلقے میں لوگ بیٹھے آہستہ آہستہ اللہ کا نام دہرا رہے ہیں۔ دوسرے حلقے میں بھی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں مگر وہاں درس ہو رہا ہے۔ سب لوگ درس میں محو ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی درس والے حلقے میں جاکر بیٹھ گئے۔ اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم پھیلانے کا کتنا خیال تھا اور جہاں بھی علم کا چرچا ہوتا تھا آپ وہاں خاموشی سے بیٹھ جاتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے علم قرآن مجید سے پھیلایا جو اللہ کے احکام کی کتاب ہے۔ دین دُنیا کی بھلائی کی ساری باتیں اس میں موجود ہیں اور اس میں لکھے ہوئے احکام کو آپ نے اس طرح پھیلایا کہ بذاتِ خود ان پر عمل کیا۔ یعنی آپ کتاب بھی رکھتے تھے اور اس کتاب کے معلّم بھی تھے۔ اس وجہ سے آپ کو معلّمِ کتاب و حکمت کہتے ہیں۔ جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو ساری دُنیا علم کی روشنی سے جگمگا رہی تھی۔ علم کا پیغام ساری دُنیا میں پہنچ چکا تھا۔ آپ کے نیک، لائق اور انسانی بھلائی کے کام کرنے والے ساتھیوں نے آپ کے بعد علم پھیلانے کی کوشش جاری رکھیں۔ مُسلمان جہاں جہاں گئے علم کی روشنی ساتھ لے کر گئے اور اُجالا پھیلاتے رہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے مُسلمان ساری دُنیا میں پھیل گئے۔ ایران، وسط ایشیا، ہندوستان، افریقہ، یورپ سب جگہ پہنچے اور علم پھیلانے میں مصروف ہوگئے۔ بغداد، قرطبہ، غرناطہ، اصفہان، شیراز، بخارا، نیشاپور، دلّی، ملتان، لاہور، ڈھاکا گول کنڈہ، اور بیجاپور علم کے بڑے بڑے مرکز بن گئے۔ بغداد میں بے شمار بڑے بڑے مدرسے تھے۔ عباسی خلیفہ مامون رشید نے یہاں دُنیا بھر کے عالموں کو جمع کیا اور پُرانے علم کو جو لوگوں کی

غفلت کی وجہ سے مُردہ ہوگیا تھا، پھر سے زندہ کیا۔ مامون رشید نے یونانی اور سنسکرت کتابوں کو عربی میں ترجمہ کروایا۔ قرطبہ میں بھی بے شمار مدرسے اور بڑے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے سارے علوم کو ترقی دی۔

نوجوان طالب علم دور دراز کے قصبوں، شہروں اور دیہاتوں سے بڑے بڑے شہروں کے مدرسوں میں عِلم حاصل کرنے آتے رہتے تھے۔ مدرسوں میں ان کے رہنے سہنے، کھانے پینے کا انتظام بھی ہوتا تھا اور بہترین اُستاد انہیں تعلیم دیتے تھے۔ اس زمانے میں یورپ علمی ترقی میں بہت پیچھے تھا۔ یہ ان کے لئے تاریک دور تھا۔ مُسلمان ہر علم میں ترقی کررہے تھے۔ عمارتیں بنانے کا عِلم ہو، جہاز رانی کا عِلم ہو، جانوروں کے بارے میں معلومات ہوں۔، زمین کی پیائش اور جغرافیے کا علم ہو، تاریخ ہو، ریاضی ہو، عِلم کیمیا ہو، انسانی جسم کی بناوٹ اور علاج معالجے کا عِلم ہو، انتظامی کاموں کا علم ہو غرض سارے علم ترقی کررہے تھے اور مسلمان عالم زور و شور سے علم پھیلا رہے تھے۔ آج ہم جو علم پڑھتے ہیں ان میں سے اکثر کی بنیاد مسلمانوں ہی کی رکھی ہوئی ہے۔ ان علوم کے علاوہ دینی علوم تھے۔ قرآن مجید کا علم، حدیث کا علم۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ حدیث حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا کسی کہی ہوئی بات کا نام ہے۔ مُسلمان عالموں نے ساری حدیثیں بڑی محنت سے جمع کیں۔ پھر انہیں جانچا پرکھا۔ جن لوگوں نے حدیثیں بیان کی تھیں۔ ان کے بارے میں ساری معلومات جمع کیں اور پھر فیصلہ کیا کہ ان کے بیان کو مانا جائے یا نہیں۔ بڑی محنت کی۔ ان کی محنت کی وجہ سے تحقیق کے اصول مقرر ہوئے جن پر آج تک عمل ہوتا ہے۔

مگر ترقی کو قائم رکھنے میں محنت نہ کی جائے تو زوال آجاتا ہے۔ ہمارے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ترقی رک گئی اور زوال شروع ہوگیا۔ پرانے عالم جو کچھ لکھ گئے تھے اس کو دہرایا جانے لگا۔ نئی نئی باتوں کی تلاش ختم ہوگئی۔ دوسری قوموں میں یہ تلاش شروع ہوئی اور وہ آگے بڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ بہت آگے بڑھ گئیں۔ ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ ان لوگوں نے نئے نئے عِلم دریافت کرلیے۔ نئی نئی چیزیں بنالیں۔ ہم ان سے خوف کھانے لگے۔

مُسلمانوں کی حکومتیں ختم ہونے لگیں۔ اُندلس کی حکومت ختم ہوگئی۔ دوسری اسلامی حکومتیں زوال کا شکار ہوگئیں۔ برصغیر پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا۔ مُسلمان جو ساری دنیا کو عِلم سکھا رہے تھے۔ علم سے محروم ہوگئے اور عِلم سیکھنے سے ڈرنے لگے۔ یہ مشہور ہوگیا کہ کہ وہ

مسلمان جو ساری دنیا کو علم سکھا رہے تھے علم سے محروم ہوگئے اور علم سیکھنے سے ڈرنے لگے' یہ مشہور ہوگیا کہ جو مسلمان انگریزی پڑھے گا وہ کافر ہوجائے گا۔ مسلمانوں میں اس افواہ سے بڑی بددلی پھیلی مگر ایک باہمّت مُسلمان نے جس کا نام سیّد احمد تھا۔ اس افواہ کا خاتمہ کردیا اور مسلمانوں کو انگریزی تعلیم دینے اور نئے علم سکھانے کے لئے علی گڑھ میں ایک کالج قائم کیا۔ سارے برصغیر سے نوجوان طالب علم یہاں آنے لگے اور ایک بار پھر علم کا شوق تازہ ہوگیا۔

عِلم حاصل کرنے کی اس کوشش سے برصغیر کے مسلمانوں کو اپنے لئے ایک علیحدہ وطن قائم کرنے کا خیال آیا۔علم کا شوق بھی جاری رہا اور پاکستان قائم کرنے کی کوشش بھی زور پکڑتی گئی یہاں تک کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں پاکستان قائم ہوگیا۔ پاکستان قائم تو ہوگیا مگر یہاں اس زمانے میں عِلم کا چرچا نہ ہونے کے برابر تھا۔ صرف پنجاب اور سندھ میں یونیورسٹیاں تھیں۔ پنجاب یونیورسٹی پُرانی تھی۔ سندھ یونیورسٹی نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ سرحد اور بلوچستان میں کوئی یونیورسٹی نہیں تھی۔ اسکول اور کالج بھی کم تھے۔پاکستان بنتے ہی علم کو عام کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ حکومت نے بھی کوشش شروع کی اور ملک کے مختلف اداروں' انجمنوں اور عِلم دوست لوگوں نے بھی عِلم پھیلانے کی کوشش میں بھرپور حصّہ لیا۔ بڑی محنت کی۔ سب اس بات کو جانتے اور سمجھتے تھے کہ پاکستان کی ترقی عِلم کی ترقی سے ممکن ہے جیسے جیسے عِلم بڑھے گا لوگوں کی معلومات بڑھیں گی' عقل بڑھے گی۔ نئے نئے خیال آئیں گے نئی نئی چیزیں بنیں گی۔ پُرانی چیزوں کی اصلاح ہوگی ہر فن میں ترقی ہوگی اور دنیا میں نام پھیلے گا۔ پہلے بھی عِلم ہی سے ترقی ہوتی تھی۔ آج بھی عِلم ہی سے ترقی ہوگی۔

پاکستان میں تعلیم اور علم پھیلانے میں بڑی محنت کی گئی۔ کہاں تو یہ کہ صرف دو یونیورسٹیاں تھیں اور اب پشاور' ایبٹ آباد' ڈیرہ اسمٰعیل خان' اسلام آباد' بہاولپور' ملتان فیصل آباد' خیرپور' ٹنڈو جام اور کوئٹہ میں بھی یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ کراچی اور لاہور میں کئی کئی یونیورسٹیاں ہیں۔ شہروں اور قصبوں میں اسکولوں اور کالجوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ بے شمار دینی مدرسے دین کی تعلیم میں مصروف ہیں۔ میڈیکل' انجینئرنگ' زراعت' تجارت' سب کی تعلیم عام ہوگئی ہے اور عِلم زور و شور سے پھیل رہا ہے۔

پاکستان کو قائم ہوئے انچاس برس اس سال اگست میں پورے ہوجائیں گے ویسے تو یہ بڑی

مدت معلوم ہوتی ہے لیکن تاریخ میں اس کی حیثیت ایک لمحے کی سی ہے۔ تاریخ کا یہ ایک لمحہ ہمارے جاگنے، معلومات حاصل کرنے، سمجھنے، غور کرنے، جاننے اور علم حاصل کرنے کا لمحہ ہے۔ جو کچھ ہم نے علم کے ذریعے حاصل کیا ہے اس سے پوری طرح فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ پاکستانی انجینئر پل، سڑکیں اور بڑی بڑی عمارتیں بناتے ہیں۔ ڈاکٹر، مختلف بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تقریباً تمام اُستاد پاکستانی ہیں اور اپنے علم سے قوم کو فائدہ پہنچا رہے ہیں علم پھیلانے کی کوشش کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ کراچی یونیورسٹی نے اپنے طالب علموں پر یہ پابندی لگادی تھی کہ انہیں کامیاب ہونے پر ڈگری اس وقت ملے گی جب وہ ایک آدمی کو لکھنا، پڑھنا سکھادیں گے۔ اس طرح کراچی یونیورسٹی کے طلبہ نے بے شمار لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیا۔

یہ کوششیں بہت اچھی ہیں۔ حکومت بھی کوشش کررہی ہے۔ عوام بھی کوشش کررہے ہیں مگر ہمارے قصبوں اور دیہاتوں میں ابھی تعلیم پھیلانے کی بڑی ضرورت ہے۔ ملک کے لاکھوں بچّے تعلیم سے محروم ہیں کیونکہ ان کے ماں باپ انہیں چھٹپن ہی سے کسی کام پر لگادیتے ہیں اور وہ لکھنے پڑھنے سے محروم رہ جاتے ہیں یہ کوشش ہورہی ہے کہ ملک کے ہر بچے کو لکھنا پڑھنا آجائے کوئی بھی بچہ تعلیم سے محروم نہ رہے۔ علم سب کے پاس ہو مگر یہ بہت بڑا کام ہے۔ آسان بات نہیں ہے۔ اس کے لئے ملک کے سارے لوگوں کو بھرپور کوشش کرنا پڑے گی۔

کیسے ہوگی یہ کوشش، اس طرح کے پہلے تو ہم خود تعلیم حاصل کریں، علم سیکھیں، دین کا علم بھی اور دُنیا کا علم بھی، وہ علم جسے علمِ نافع یعنی نفع پہنچانے والا علم کہتے ہیں اور علم سیکھنے کے بعد ملک کے ان تمام بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو علم سکھائیں جو علم کی دولت سے محروم ہیں۔ علم سے آدمی اللہ تعالیٰ کو بھی پہچانتا ہے۔ علم سے طاقت اور توانائی بھی حاصل کرتا ہے۔ علم کی وجہ سے دُنیا میں عزّت بھی حاصل کرتا ہے علم حاصل کرنا ہر مُسلمان کا فرض ہے۔ علم سکھانا بھی ہر مسلمان کا کام ہے جیسے جیسے علم کو ترقی ہوتی جائے گی۔ پاکستان کو ترقی ہوتی جائے گی پاکستان کی ترقی ہم سب کی ترقی ہے اس لئے ہم سب کو جان و دل سے علم حاصل کرنا اور پھیلانا چاہئے۔

فروغِ تعلیم نمبر کے صفحات بڑھ جانے کے سبب اس بار قلم دوست کے صفحات شامل نہیں
اگلے مہینے انشاءاللہ یہ صفحات شامل اشاعت ہوں گے۔

فروغِ تعلیم

افشاں بشیر

شوقِ حصولِ علم میں جانیں لڑایئے
جانا پڑے جو چین تو پھر چین جایئے

تعلیم کا ہے آج زمانے میں زور و شور
تم بھی کرو اسی کے لئے خوب فِکر و غور

تعلیم ہی سِکھاتی ہے اِنسان کو شعور
تعلیم ہی بناتی ہے قوموں کو باشعور

تعلیم ہی سے ملک کا ہے عزّت و وِقار
تعلیم شخصیت کو بناتی ہے باوِقار

ہے مُلک اور وطن کی ترقی کا راز عِلم
ہوتا ہے مشکلات میں بس کارساز عِلم

تم بھی فروغِ علم کی کاوش کیا کرو
ہر دم حصولِ علم کی کوشش کیا کرو
بڑھ جائے اپنے ملک کی یوں شان عِلم سے
ہوجائے مُلک پاک کی پہچان عِلم سے
ہوجائیں روشناس زن و مرد عِلم سے
محروم رہ نہ جائے کوئی فرد عِلم سے
دیجئے فروغ عِلم کو پڑھئے پڑھایئے
گر ہو سکے وطن سے جہالت مِٹایئے
اک شخص کو بھی عِلم جو تم نے سِکھادیا
اِنسانیت کا گویا بڑا حق ادا کیا
قولِ رسولِ پاکؐ ہے "تعلیم پایئے"
جانا پڑے جو چین تلک، چین جایئے

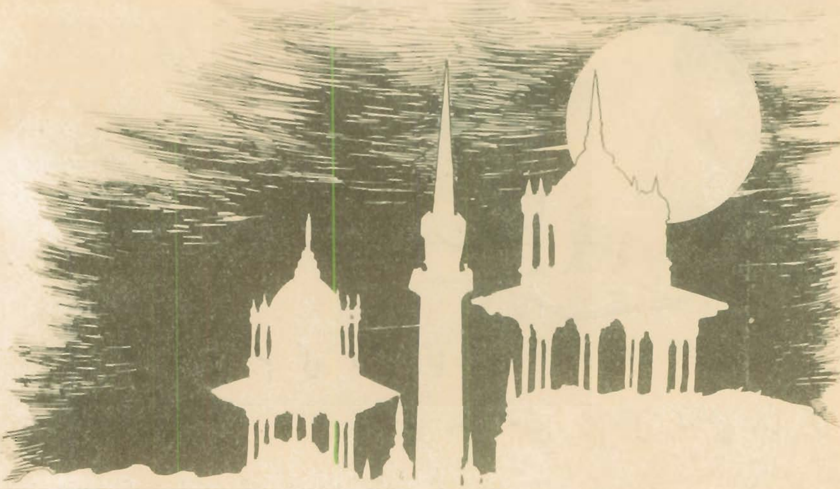

حضرت
ادریسؑ کی کہانی

اظہر علی خان

اللہ تعالیٰ نے اقوام کی اصلاح کے لئے ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر بھیجے۔ انہی میں سے ایک پیغمبر حضرت شیثؑ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد جب ان کی قوم میں بت پرستی عام ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے انہی کے قوم میں ایک لڑکے اخنوح (Akhnoh) کو پیدا کیا جو بعد میں پیغمبر کے درجے پر فائز ہوئے اور ان کا لقب ادریس مشہور ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شہرت حضرت ادریس علیہ السلام کے نام سے زیادہ ہے۔ لفظ ادریس مدرّس کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں درس دینے والا آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار علوم عطا کئے تھے لیکن علمِ نجوم ان کے معجزات میں سے ایک تھا۔ آپ زمین پر دن رات اللہ کی عبادت کرتے اور فرشتے اللہ کے حکم سے آپ کو آسمان پر لے جاتے۔ آپ قائم الیل اور صائم الدہر تھے۔ آپ کی عبادت کا یہ

عالم تھا کہ روزانہ کپڑے سینے کے دوران اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ "اور یاد کرو کتاب میں ادریسؑ کو کہ وہ سچے نبی تھے۔" (القرآن)

حضرت ادریسؑ بہ اعتبار پیشہ درزی تھے لیکن آپ کسی سے اس کی اُجرت طلب نہیں کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلاشِ معاش سے آزاد کردیا تھا۔ آپ کا کھانا براہِ راست جنّت سے آتا تھا۔

آپ اپنی قوم میں حضرت ادریسؑ کی حیثیت سے مشہور ہوئے یعنی مدّرس۔ جوکہ قوم کو درس دے، لیکن ایسا مدّرس جو اپنے درس کی اُجرت طلب نہ کرے۔ روایات میں آیا ہے کہ آپ کے درس کی ابتدا ملک الموت یعنی حضرت عزرائیلؑ کی دوستی سے شروع ہوئی لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ملک الموت کے ساتھ کچھ عرصہ رہنے کے بعد بھی انہیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ جس شخص کے ساتھ روز و شب بسر کررہے ہیں وہ ملک الموت ہے۔ ملک الموت انسان کے روپ میں تین دن اور تین رات ان کے ساتھ رہے اور روایت میں ہے کہ ایک دن جنّت سے حضرت ادریسؑ کے لئے کھانا آیا انہوں نے اپنا یہ کھانا اس مُسافر کو دے دیا جو اس وقت ان کے دروازے پر آیا تھا۔ حضرت ادریسؑ نے دیکھا کہ اس مُسافر نے کھانے کی طرف ذرا بھی التفات نہ کیا بلکہ مسلسل عبادت میں مصروف رہا۔ آپ بڑے متعجب ہوئے اور آپ نے کہا کہ گھر سے باہر نکل کر کسی میدان کی طرف چلتے ہیں چنانچہ دونوں ایک کھیت میں جاپہنچے۔ تب حضرت عزرائیلؑ (ملک الموت) جوکہ انسان کے روپ میں ان کے ہمراہی تھے، نے کہا۔ "اس کھیت کے کچھ خوشے لے کر ہم دونوں کھالیتے ہیں۔" حضرت ادریسؑ نے جواباً" فرمایا۔ "حیرت ہے کہ کل رات حلال کھانا جوکہ جنّت سے میرے لئے آیا تھا وہ تم نے نہ کھایا لیکن یہ حرام کھانا جوکہ کسی دوسرے کی ملکیت ہے تم کھانے اور کھلانے پر آمادہ ہو؟" کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت ادریسؑ کا پہلا درس تھا جوکہ عزرائیلؑ کو دیا۔ اسی طرح ایک دوسرے باغ میں پہنچنے کے بعد ملک الموت نے وہاں لگے انگور کے خوشے کھانے کا قصد کیا لیکن حضرت ادریسؑ نے اس سے بھی منع فرمایا۔ اور کہا "وہ تصرّف جو دوسرے کی ملکیت میں ہے حرام ہے۔" اسی طرح راستے میں ایک بکری دیکھی کہ عزرائیلؑ نے اسے بھی کھانے کا قصد کیا لیکن ادریسؑ نے حرام ہونے کی بنا پر اس کو منع کردیا۔ جب حضرت ادریسؑ ملک الموت کی اس تضاد عملی کو نہ سمجھ سکے۔ تو انہوں نے پوچھا "تم کون ہو؟" ان کے ساتھی نے کہا کہ

"میرا نام عزرائیلؑ ہے اور میں ملک الموت ہوں' لوگوں کی جانیں قبض کرتا ہوں اور تمہارے ساتھ اللہ کے حکم سے مذاق کر رہا ہوں کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ تم اللہ کے سچے نبی ہو اور اس طرح کے امتحان میں ہر حال میں پورے اترو گے"۔

ملک الموت نے حضرت ادریسؑ کے متعلق یہ سوچ کر کہ یہ اللہ کے پیغمبر ہیں ان سے دوستی کا رشتہ استوار کرنا چاہئے۔ اپنی اس خواہش کا انہوں نے اظہار حضرت ادریسؑ سے کیا۔ حضرت ادریسؑ نے کہا "تم سے دوستی صرف ایک شرط پر ممکن ہے کہ تم مجھے مار کر دوبارہ زندہ کردو تاکہ موت کا مزا چکھ کر اللہ کے خوف اور عبرت سے اللہ کی اور زیادہ اطاعت کروں۔" ملک الموت نے کہا "ایسا صرف اللہ کے حکم سے ممکن ہے۔" اس موقع پر ملک الموت نے دُعا بھی مانگی۔ اللہ نے ان کی دُعا قبول کی اور حضرت ادریسؑ اللہ کے حکم سے مر کر دوبارہ زندہ ہوئے تو ملک الموت نے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیا اور یہیں سے ان کا رشتہ دوستی استوار ہوا۔ پھر ملک الموت نے اس رشتے کے حوالے سے اللہ کے حکم سے انہیں جنّت دوزخ کی سیر کرائی لیکن یہ سیر صرف باہر ہی باہر سے تھی یعنی نہ تو دوزخ میں داخل ہوئے اور نہ ہی جنّت میں البتہ اس دوران حضرت ادریس کو یہ شوق ضرور پیدا ہوا کہ کیوں نہ میں جنّت میں جاکر رہوں۔ تب انہوں نے دوستی کے رشتہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر اجازت ہو تو جنّت میں جاکر ایک پیالہ پانی پیوں کیونکہ دوزخ کی گرمی دیکھ کر مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ تب ملک الموت نے کہا "جنّت میں جاکر واپس آنے کا عہد کرنا ہوگا!" ادریسؑ نے جنت سے باہر طوبیٰ کے درخت کے نیچے اپنے جوتے چھوڑ کر جنّت میں داخل ہوگئے اور پھر فوراً" ہی دوبارہ باہر آکر وہ جوتے جنّت میں اپنے ساتھ لے گئے۔ اور ایک درخت پر جابیٹھے۔ ملک الموت نے انہیں واپسی کی آواز دی لیکن انہوں نے صاف انکار کردیا۔ کہا۔ "یہ شرط میں نے اس طرح پوری کرلی ہے دوبارہ واپس آکر میں نے اپنے جوتے لے لئے تھے۔"

ابھی عزرائیل اور حضرت ادریسؑ میں یہ مکالمے جاری تھے کہ غیب سے آواز آئی کہ "اے عزرائیل تو...... ادریسؑ کو چھوڑ دے کیونکہ لوحِ محفوظ میں ان کی قسمت کے بارے میں اسی طرح سے لکھا ہوا تھا انہوں نے زندگی میں ہی وہ شرائط پوری کرلیں وہ دنیا میں میرے حکم سے پیدا کئے گئے اور زندہ رہے اور میرے حکم سے مرے اور دوبارہ زندہ ہوئے گویا انہوں نے موت کا مزہ بھی چکھ لیا اور جنّت میں داخل ہوگئے۔ جس کے لئے میں نے کہا ہے کہ یہ وہ ٹھکانہ ہے جس میں میرے ماننے والے نیکو کار ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے!!"

کھیل ہے سارا زباں کا پیارے
میٹھی زباں کے میٹھے نظارے

سلمان خان

"پہلے تولو پھر بولو" آپ نے یہ مقولہ تو بزرگوں سے سُنا ہی ہوگا لیکن ایک ننھا بچّہ اس پر کتنی توجہ سے عمل کرتا ہے آپ اس پر غور کریں تو حیران رہ جائیں۔

بچّہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اپنے آس پاس مختلف آوازیں مختلف جُملے سُنتا ہے۔ یہ سب آوازیں اس کے پاس ذخیرہ ہوتی رہتی ہیں پھر آہستہ آہستہ اپنی پیاری زبان میں چھوٹے چھوٹے جملے پھُول کی طرح بکھیرتا ہے —

"مم ... مم ... ماں ... پپ ... پپ ... پاپا!!"

چھوٹا بچّہ سیکھنے کے عمل سے گزر رہا ہوتا ہے۔ شروع میں وہ چھوٹے چھوٹے الفاظ زبان سے نکالتا ہے پھر جب چار پانچ سال کا ہوتا ہے تو اس کا ذخیرۂ الفاظ بڑھ جاتا ہے اور وہ نئے نئے جملے بولنے لگتا ہے۔

اکثر لوگ کہتے ہیں "وہ بچّہ بہت میٹھی باتیں کرتا ہے.... اس کی زبان بہت پیاری ہے. شہد سی میٹھی اس کی باتیں ہیں۔" لیکن آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ اگر زبان نہ ہوتی تو ہم بچّوں کی میٹھی زبان، پرندوں کے مدھر نغموں اور جھرنوں کی گفتگو سے محروم رہ جاتے۔ میٹھی زبان ہمیشہ میٹھے نظارے دکھاتی ہے!!

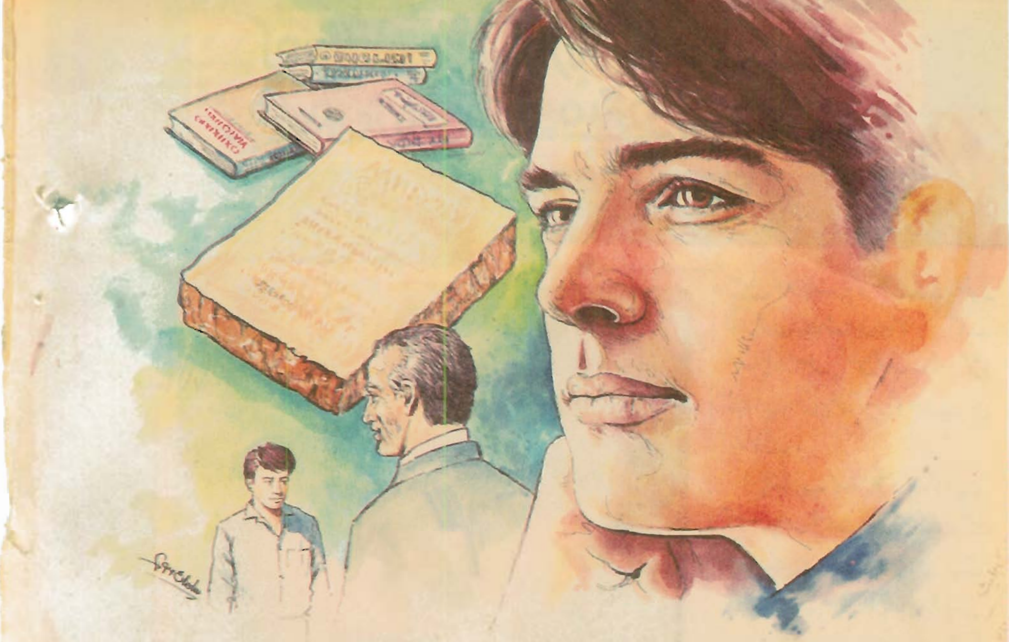

پتھر کی پلیٹ

فاروق حسن چانڈیو

"خاور بیٹے! مجھے شہر سے باہر قریب ہی ایک گاؤں میں دو کمرے کے محلہ اسکول بنانے کا ٹھیکہ ملا ہے۔ میں تو شہر والے بڑے اسکول بنانے کے کام کی نگرانی کررہا ہوں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ گاؤں والے کام کی نگرانی تم کرو۔" افضل خان نے بیٹے سے کہا۔

"مگر ابو اس خاک چھاننے کا فائدہ کیا ہوتا ہے......؟ کسی ٹھیکے سے آپ نے معمولی سی رقم کے علاوہ کچھ نہیں کمایا۔ حالانکہ دوسرے ٹھیکیدار چند سالوں میں کروڑ پتی بن چکے ہیں۔" خاور نے بیزاری سے کہا۔

"بیٹے ایمانداری سے کمانے والے اتنی جلدی کروڑ پتی نہیں بنتے۔ اس کے لئے بے ایمانی کرنی پڑتی ہے۔ جو میں نہیں کرنا چاہتا۔ بھلا کیوں بے ایمانی کرکے اپنی عاقبت خراب کروں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم کو دو وقت کی روٹی اور سر

چھُپانے کو چھت میسّر ہے۔" افضل خان نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"آپ تو ابھی تک پرانے زمانے کے مطابق خیالات رکھتے ہیں۔ اس لئے کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔ ٹھیک ہے میں بھی چلا جاؤں گا خاک چھاننے۔" خاور نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

وہ دوسرے دن کام کی نگرانی کرنے چلا گیا۔ عمارت کے لئے جس پلاٹ کو منتخب کیا گیا تھا وہاں پر کسی پرانے زمانے کی گری ہوئی عمارت کا ملبہ پڑا ہوا تھا سب سے پہلے اسے ہٹوانا تھا۔ اس کے بعد بنیاد کے لئے کھُدائی کروانی تھی۔ خاور نے اپنے والد کی ہدایت کے مطابق گاؤں ہی سے کچھ مزدور حاصل کر کے وہ ملبہ ہٹانے کا کام شروع کروا دیا۔

دوسرے دن افضل خان خود بھی وہاں پہنچ گئے اور نقشے کے مطابق کھُدائی کے لئے مزدوروں کو نشان لگا دیئے۔ اس کے بعد خاور کو نگرانی کے لئے چھوڑ کر خود چلے گئے۔ کچھ ہی دیر میں کھُدائی کرتے ہوئے ایک مزدور کا پھاوڑا کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ جس سے کافی آواز پیدا ہوئی۔ خاور فوراً" وہاں پہنچا اور بولا "احتیاط سے کھُدائی کر کے دیکھو کیا چیز ہے" مزدور نے احتیاط سے کھدائی کر کے ایک بہت ہی پُرانا چمڑے کا تھیلا برآمد کیا جس کے کونے پر پھاوڑے کی نوک لگی تھی اور وہ تھیلا کٹ سا گیا تھا۔ اس کے اندر سے پتھر کی ایک پلیٹ نظر آرہی تھی۔ خاور نے تھیلا اپنے قبضے میں لے کر مزدور کو کام جاری رکھنے کا کہا۔ اس کے بعد اُلٹ پُلٹ کر تھیلے کو دیکھا۔ وہ ہر طرف سے موٹے دھاگے کی سلائیوں سے بند تھا۔ اسے کھول کر دیکھنے کے لئے سلائی ادھیڑنی ضروری تھی۔ خاور نے اپنی جیب سے ناخن تراش نکالا جو وہ اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔ اس نے ناخن تراش کا چاقو کھولا اور اس سے سلائیوں کو ایک طرف سے کاٹ ڈالا۔ اندر سے پتھر کی پلیٹ کے علاوہ کچھ برآمد نہیں ہوا۔ خاور مایوس ہو گیا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ اندر سے ہیرے جواہرت برآمد ہوں گے۔ وہ بیزاری سے پلیٹ کو پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ اس پر بہت ہی ہلکی سیاہی سے لکھی ہوئی کچھ عبارت نظر آئی۔ اس نے غور سے دیکھا۔ اوپر ہی اوپر اُردو میں لکھا ہوا تھا کہ بہت بڑے خزانے کا نقشہ۔ وہ پڑھ کر خاور خوشی سے جھُوم اُٹھا اور آگے پڑھنا شروع کیا۔ آگے لکھا تھا۔ اس پلیٹ کو اس چرمی بیگ سے دو گھنٹے باہر رکھا گیا تو یہ عبارت اور نشانات غائب ہو جائیں گے۔ یہ پڑھ کر خاور نے سوچا کہ جلدی سے پڑھ ڈالوں ورنہ زیادہ وقت لگ گیا تو پلیٹ صاف ہو جائے گی۔ مگر آگے کچھ پڑھنا اور سمجھنا اس کے بس کی بات نہیں تھی کیونکہ آگے کہیں عربی میں اور کہیں انگریزی میں لکھا ہوا تھا اور بیچ بیچ میں کچھ حسابی

سوالات بھی تھے۔ "خاور تھا تو بی اے پاس مگر اسے انگریزی' عربی اور حساب بالکل نہیں آتے تھے۔ وہ تو بس نقل کر کے پاس ہوتا آیا تھا۔ اسے یاد آیا کہ پلیٹ کی عبارت اور نشانات تھیلے سے باہر صرف دو گھنٹے رہیں گے پھر مٹ جائیں گے۔ یہ یاد آتے ہی اس نے پلیٹ جلدی تھیلے کے اندر رکھ دی۔ پھر وہ سوچنے لگا "کیوں نہ یہ پلیٹ ابو کو دکھا کر عبارت پڑھوالوں؟" یہ خیال آتے ہی وہ خوش ہوگیا مگر چند ہی لمحوں میں وہ خوشی ختم ہوگئی۔ اس نے سوچا۔

"ابو پھر کوئی ایمانداری کا پہلو نکال لیں گے یوں ہاتھ آنے والا متوقع خزانہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔" پھر اس نے سوچا کہ کسی با اعتماد دوست سے وہ عبارت پڑھوائے مگر اس خیال کو بھی رد کردیا۔ کیونکہ اس نے بہت سے خزانوں کی کہانیاں پڑھی تھیں۔ جن میں لالچ میں آکر بھائی کو بھائی نے قتل کردیا تھا۔ وہ شام تک اس مسئلے پر سوچتا رہا مگر کوئی حل تو سمجھ میں آیا نہیں اُلٹا زیادہ سوچنے کی وجہ سے سر میں درد ہوگیا۔ وہ تھیلا ساتھ لئے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اپنے گھر شہر کی طرف چل دیا۔

دوسرے دن بھی وہ برائے نام کام کی نگرانی کررہا تھا کیونکہ اس کا ذہن اس عبارت کو پڑھنے کے طریقوں کو سوچنے میں کھویا ہوا تھا۔ یوں اور کوئی حل نہ پا کر اس نے فیصلہ کرلیا کہ عربی' انگریزی اور حساب سیکھے گا۔

☆ --- ☆ --- ☆

"ابو......میں کل سے کام کی نگرانی کرنے نہیں جاؤں گا۔" خاور نے والد سے کہا۔

"مگر کیوں بیٹے......!!!؟ اب تم بچّے تو ہو نہیں کہ بے کار بیٹھے رہو۔" افضل خان نے کہا۔

"ابو......! میں ابھی مزید علوم سیکھنا چاہتا ہوں۔ میں عربی' انگریزی اور حساب کے علم پر عبور حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" خاور نے وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

"مگر بیٹے!!! تم تو بی اے پاس ہو۔ انگریزی اور حساب تو تم نے سیکھ ہی لئے ہوں گے۔ البتہ عربی والی بات کچھ سمجھ میں آتی ہے......!!!" افضل خان نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں ابو! مجھے انگریزی اور حساب کچھ آتے تو ہیں مگر میں ان پر مکمل عبور حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" خاور نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نگرانی کے لئے کوئی تنخواہ دار ملازم رکھ لیتا ہوں۔ کیونکہ چند روپوں کے مقابلے میں علم حاصل کرنے کی اہمیت زیادہ ہے۔"

افضل خان نے کہا۔ یہ بات سُن کر خاور بہت خوش ہوگیا۔

☆ --- ☆ --- ☆

خاور بہت محنت سے انگریزی، عربی اور حساب سیکھنے لگا۔ شدید خواہش اور محنت کی وجہ سے وہ تین سال کی محنت سے تینوں علوم سیکھ گیا۔ تب اس نے ایک رات کو اپنے کمرے میں بیٹھ کر تھیلے سے اس پتھر کی پلیٹ کو نکالا اور اسے پڑھنا شروع کیا ان عبارات کا مفہوم مندرجہ ذیل ہے۔

"خزانوں کی کئی اقسام ہیں۔ اور ان میں سے سب سے زیادہ قیمتی خزانہ اس پلیٹ کو سمجھنے والا حاصل کرسکتا ہے۔ جی ہاں جو بھی اس پلیٹ کو ٹھیک سے پڑھنا سیکھ جائے گا وہ بڑا دولت مند ہوجائے گا۔ وہ خوش نصیب کون ہوگا۔ اسے میں جانتا ہوں اور اسے میں بہت چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہ کوئی اور نہیں میرا اپنا بیٹا خاور۔"

یہاں تک پڑھ کر خاور چونک گیا۔ اسے دال میں کچھ کالا محسوس ہونے لگا تھا۔ پھر بھی ایک موہوم اُمید کے سہارے آگے پڑھنا شروع کیا، لکھا تھا "مجھے معلوم ہے کہ سب سے بڑی دولت اور خزانہ ہے "علم" اور وہ خزانہ میرے بیٹے کے پاس بہت کم ہے، وہ نقل کرتے کرتے بی اے تو پاس کرگیا مگر علم حاصل نہیں کرسکا۔ وہ تو صرف لالچی ہے اسے ظاہری دولت کی ہوس ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ عربی سیکھ کر قرآن مجید جیسی عظیم حکمت والی کتاب، کو پڑھ اور سمجھ سکے۔

انگریزی بین الاقوامی زبان ہے۔ وہ بھی اسے آنی چاہئے۔ کاروبار زندگی میں حساب کا علم بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے میں اپنے بیٹے کو اس میں بھی ماہر دیکھنا چاہتا ہوں۔

آج میں بہت خوش ہوں کہ میرا بیٹا ان علوم میں ماہر ہوچکا ہے۔ کیا سوچ رہے ہو خاور! کہیں ایسا تو نہیں کہ "آج" کے لفظ پر۔ بہت علوم سیکھ کر گرامر کی غلطی تصور کررہے ہو۔ ارے بیٹا ایسا نہیں ہے۔ آج سے مراد آج ہی ہے جب تم پڑھ رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ تم مکمل آج ہو۔ اس لئے تو آج اس تختی کو پڑھ رہے ہو اور میں دروازے کی جھری سے دیکھ دیکھ کر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ سوچو مت میں بتاتا ہوں یہ پلیٹ مزدور کو رازدار بنا کر میں نے خود ہی رکھوائی تھی۔"

یہاں انگلش اور اردو کی عبارات ختم ہوگئیں آگے حساب تھا۔ وہ بھی اپنی ذہانت جانچنے کے لئے خاور نے حل کئے اور وہ صحیح حل کرگیا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک وہ سوچتا رہا کہ ابو نے مجھے جو دھوکا دیا ہے اس سے مجھے نقصان ہوا ہے یا فائدہ۔ تب ذہن سے جواب ملا کہ بہت بڑا فائدہ ہوا ہے۔ واقعی بہت بڑا خزانہ حاصل ہوچکا ہے۔ وہ خوش ہو کر اُٹھا اور دروازہ کھول کر والد سے لپٹ گیا۔ جو واقعی دروازے کے باہر موجود تھے۔

ہم کہاں کھڑے ہیں

ابوغازی محمد

ایک چینی کہاوت کے مطابق ”اگر تمہارا منصوبہ سال بھر کے لئے ہے تو فصل اگاؤ“ دس سال کے لئے ہے تو درخت لگاؤ اور اگر ہمیشہ کے لئے ہے تو علم رکھنے والے لوگ پیدا کرو۔“ علم کی قدر و اہمیت واضح ہونے کے باوجود ہمارے ملک میں علم کے فروغ کے لئے آزادی کے بعد سے اب تک کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے گئے؟

نہیں معلوم! آیئے ہم بتاتے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم پاک و ہند کے وقت ہمارے ملک میں شرح خواندگی کا تناسب ۳۴ فیصد تھا۔ جو ۱۹۵۱ء میں کم ہو کر ۱۳.۲ فیصد رہ گیا۔ ان سنگین حالات میں وزارتِ تعلیم نے تعلیم کے گرتے ہوئے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی۔ جس کے باعث ۱۹۶۱ء میں شرح خواندگی بڑھ کر ۱۸.۴ فیصد، ۱۹۷۲ء میں ۲۱.۲ فیصد اور ۱۹۸۱ء میں ۲۶.۲ فیصد ہوگیا۔ لیکن ۱۹۸۴ء یہ شرح ایک بار

پھر گر کر ۲۶ فیصد رہ گئی۔ اگلے آٹھ سالوں یعنی ۱۹۹۲ء تک معیار تعلیم بُلند ہوا۔

عالمی ادارے یونیسکو کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان موجودہ شرح خواندگی (۲۷ فیصد) کے لحاظ سے دنیا میں ۷۹ ویں نمبر پر ہے۔ جبکہ براعظم ایشیا کے ۲۴ ممالک (جو کم و بیش ہمارے ساتھ آزاد ہوئے) میں پاکستان کا نمبر ۲۱واں ہے۔

کیا یہ ایک قومی المیہ نہیں؟

پاکستان میں سالانہ ۲ فیصد (جن کی تعداد تقریباً" ۳۵۰٬۳۰ بنتی ہے) پوسٹ گریجویٹ کی سطح تک پہنچ پاتے ہیں۔ جبکہ ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں صرف سائنسز میں سالانہ ۳۰۰ طالب علموں کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی جاتی ہے۔ وہاں پر دس سال میں ۱۰ فیصد کی شرح سے معیار تعلیم بہتر ہو رہا ہے۔ اس وقت بھارت میں شرح خواندگی کا تناسب ۵۳ فیصد ہے۔ سری لنکا ۹۵ فیصد٬ انڈونیشیا ۸۰ فیصد٬ جنوبی کوریا ۹۶ فیصد٬ بنگلہ دیش (جیسے ملک میں) ۳۶ فیصد٬ ترکی٬ برما اور لبنان تعلیم کے شعبہ میں ۸۰ فیصد سے زائد ترقی کا ہدف حاصل کر چکے ہیں۔ جبکہ کویت٬ ملیشیا اور چین ۷۰ فیصد سے زیادہ شرح خواندگی کے حامل ممالک میں شمار ہوتے ہیں۔

قابل رشک جاپان کی قابل تقلید ترقی کی مثال بھی دنیا کے سامنے ہے۔ جو دوسری جنگ عظیم کے دوران ہولناک تباہی کے کنارے پہنچ گیا تھا۔ آج دنیا کا سب سے بڑا سائنسی ملک تسلیم کیا جاتا ہے۔ امریکہ جیسا ترقی یافتہ ملک بھی جاپان کی ٹیکنالوجی کا محتاج ہو کر رہ گیا ہے۔ کیوں؟

اس کا واضح جواب یہ ہے کہ جفاکش جاپانیوں نے انتھک محنت و لگن سے ترقی کا وہ لاجواب منتر سیکھ لیا جسے "علم" کہا جاتا ہے۔ علم اور وقت کی اس قدر دانی نے جاپان کو ترقی کی اس روشن منزل تک پہنا دیا ہے جو آج ساری دنیا کے لئے قابلِ رشک ہے۔ جاپان میں ۱۰۰ فیصد معیار تعلیم کا اصل سبب یہ ہے کہ جاپانیوں نے علم کے حصول کے لئے انتہائی برق رفتاری سے پیش قدمی کی اور اسے رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر ہر ممکن حد تک عوام کی دسترس تک پہنچا دیا۔ جس کے نتیجے میں آج غریب عوام کو بھی امیر طبقہ کی طرح ابتدائی درجے سے اعلیٰ درجے تک تعلیم حاصل کرنے کے بھرپور مواقع میسّر ہیں۔ جاپان میں صرف یونیورسٹیوں کی تعداد ۱۰۰۰ ہزار سے زائد ہے۔ جن میں سے ۱۲۰ یونیورسٹیاں صرف دارالحکومت ٹوکیو میں ہیں۔ جبکہ اسکول٬ کالجوں اور ٹیکنیکل اداروں کا کوئی شمار نہیں ہے۔ جاپانی تعلیمی اداروں میں سال میں ۲۲۰ دن علمی کام ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارے یہاں سال بھر میں بمشکل ۱۰۰ دن پڑھائی ہوتی ہے۔ جبکہ نصاب کی تدوین ۱۸۰

دنوں کے لئے کی جاتی ہے۔ آیئے اب چند اسلامی ممالک کی علمی ترقی کا جائزہ ملاحظہ فرمایئے :

اُردن میں ابتدائی تعلیم پہلے درجے سے نویں درجے تک کا معیار سات سال ہے۔ سیکنڈری تعلیم دسویں گیارہویں اور بارہویں درجے کا دورانیہ چار سال ہے۔ پیشہ ورانہ اور زرعی تربیت کی مدت دو سال مقرر کی گئی ہے۔ سرکاری اسکولوں میں نویں درجے تک تعلیم لازمی ہے اور مفت فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹیکنیکل اسکولوں، ٹیچرز ٹریننگ سینٹرز اور زرعی انسٹی ٹیوٹس میں بھی تعلیم و تربیت مفت دی جاتی ہے۔ پرائمری اور مڈل کلاسوں کے طالب علموں کو ہر سال کتابیں بلاقیمت فراہم کی جاتی ہیں۔ گزشتہ چند برسوں کے دوران "قبل اسکول تعلیم" کے نام سے ایک اسکیم شروع کی گئی ہے۔ جس کے تحت تین سال تک بچوں کو تعلیم کی جانب راغب کیا جاتا ہے اور اسکول میں باقاعدہ تعلیم چھ برس کی عمر سے شروع ہوتی ہے۔

اردن کی حکومت تعلیم کے فروغ پر سالانہ، قومی آمدنی کا آٹھ فیصد حصہ خرچ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اردن میں خواندگی کی شرح ۸۰ فیصد سے تجاوز کرچکی ہے۔

متحدہ عرب امارات میں ۱۹۷۱ء میں جب وفاق کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت اسکولوں میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد بمشکل ۵۰ ہزار تھی اور ملک کے کسی حصے میں بھی کوئی اعلیٰ تعلیمی ادارہ موجود نہ تھا۔ لیکن آج متحدہ عرب امارات میں متعدد اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ سرکاری اور نجی اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد ۵۰ ہزار سے بڑھ کر ۵ لاکھ تک جا پہنچی ہے۔ وفاق کے صدر شیخ زاید بن سلطان النہیان عوام اور خصوصاً" نوجوانوں کو ملک کی سب سے بڑی دولت قرار دیتے ہیں۔

ہر سال موسم گرما کی تعطیلات کے دوران اسکولوں میں خصوصی مذہبی تعلیم کی اسپیشل کلاسیں شروع کی جاتی ہیں۔ جن میں طلبا کو قرآن اور احادیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ منفرد اسکیم "زاید منصوبہ برائے قرآنی تعلیم" کہلاتی ہے۔ اسی طرح تعلیمِ بالغاں کی تحریک کو بھی ملک بھر میں زبردست مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اس منصوبہ کے تحت اب تک لاکھوں افراد کو تعلیم دی جاچکی ہے۔ ان لوگوں کی سہولت کی خاطر شبینہ اسکولوں کا انتظام بھی کیا گیا ہے تاکہ وہ لوگ جو دن میں کام کرتے ہیں رات کو علم حاصل کرسکیں۔ اس کے علاوہ ہر سال ملکی یونیورسٹیوں سے گریجویشن کرنے والے طالب علموں کو سرکاری خرچ پر دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں پوسٹ گریجویٹ کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔

اماراتی حکومت قومی بجٹ کا ۱۴ فیصد تعلیم کے شعبہ پر خرچ کرتی ہے۔ عرب امارات میں شرح خواندگی جو آزادی کے وقت صرف ۴۲ فیصد تھی آج ۸۵ کے ہندسوں کو چھُو رہی ہے۔

اسلامی ممالک میں علمی ترقی کے سلسلے میں ایران کی مثال بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ملک شہنشاہِ ایران کے دورِ حکومت میں ذہنی طور پر مغربیت کے منفی اثرات کا شکار ہو کر علمی لحاظ سے کافی پیچھے چلا گیا تھا۔ لیکن ۱۹۷۹ء میں جب یہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو تمام شعبہ ہائے زندگی خصوصاً" نظام تعلیم کو بہتر بنانے کی غرض سے کئی انقلابی اقدامات کئے گئے اسی سال ایرانی وزارتِ تعلیم کی جانب سے "نور کی جانب قدم" کے نام سے خواندگی کی ایک منفرد اور قابل تقلید اسکیم کا اجرا کیا گیا۔ ملک بھر کے اہلِ علم لوگوں نے جہالت کے خلاف اس عظیم جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس منصوبے کے تحت اب تک ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ناخواندہ افراد کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جاچکا ہے۔ یہاں تک کہ جیلوں میں موجود قیدیوں تک کو بھی علم کی روشنی پہنچادی گئی۔ کارخانوں میں مصروف کارملازمین کو بھی کام کے دوران تعلیم دی جاتی ہے اور یہ تعلیمی وقت ان کی ڈیوٹی میں شمار کیا جاتا ہے۔ نرسری سے یونیورسٹی سطح تک تعلیم مُفت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ابتدائی جماعتوں سے ہائی اسکولوں (جنہیں کالج کا درجہ بھی حاصل ہے) تک کے طلبہ و طالبات کو ہر سال وزارتِ تعلیم کی طرف سے کتابیں بلاقیمت فراہم کی جاتی ہیں۔ نیز پسماندہ دیہی علاقوں کے اسکولوں میں زیر تعلیم بچوں کو دوپہر کا کھانا بھی مُفت دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایران میں تعلیمی اوقات کار صبح ۸ بجے سے شام ۵ بجے تک ہوتے ہیں جس کے دوران دو گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے۔ اس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں کھانا کھاتے ہیں اور آرام کرتے ہیں ایران میں تعلیم کا نظام گیارہ سال کے چار درجوں پر مشتمل ہے۔ پہلے درجے میں بچوں کو ایک سال میں تعلیم دی جاتی ہے۔ تین سالہ مڈل (تربیتی) اسکولوں میں تعلیم دینے کے بعد بچوں کو چار سالہ تعلیم کے لئے ہائی اسکولوں میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ ان چار درجوں کی تکمیل کے بعد یونیورسٹی سطح کی تعلیم کا نمبر آتا ہے۔ ایران میں اس وقت ہزاروں اسکول قائم ہیں۔ متعدد ٹیچرز ٹریننگ سینٹرز اور ٹیکنیکل اداروں کے علاوہ ۲۴ یونیورسٹیاں علمی ترقی میں سرگرمِ عمل ہیں۔ ۱۹۸۴ء میں "دانش گاہ آزاد اسلامی" کے نام سے ایک اوپن یونیورسٹی قائم کی گئی۔ جس کی شاخیں ملک کے ہر اہم شہر میں موجود ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں ایک فاصلاتی تعلیمی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ مخصوص مضامین

میں طلبہ و طالبات کو تعلیم مکمل کرنے کے بعد بی اے اور بی ایس سی کی ڈگری جاری کرتی ہے۔ اس اعلیٰ درس گاہ کی شاخیں بھی ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وزارتِ تعلیم کی ان کوششوں کے نتیجے میں ملک میں شرح خواندگی تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ۱۹۷۶ء میں شرح خواندگی کا تناسب ۶.۷۴ فیصد تھا۔ جو اس وقت بڑھ کر ۶۲.۸ فیصد ہو گیا ہے۔

ہمارے ملک میں بہت سارے فیصلے محض سیاسی مقبولیت حاصل کرنے کی غرض سے کئے جاتے ہیں۔ اور جس کام میں اپنی غرض چھپی ہوئی ہو وہ نہ بہتر طور پر مکمل ہوتا اور نہ ہی اس میں ترقی کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال "نئی روشنی پروجیکٹ" تھا۔ جو کافی عرصہ تک صرف کاغذوں پر چلتا رہا۔ جس پر کروڑوں روپے خرچ کئے گئے۔ اور جس میں سیاسی وابستگیوں کی بنا پر نوکریاں دی گئیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اچھے اُستاد میسّر نہ آسکے۔

۲۰ دسمبر ۱۹۹۲ء کو وزارتِ تعلیم نے نہایت زور و شور سے نئی تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا کہ اگلے ۱۰ سالوں میں ہمارے ملک میں شرح خواندگی کا تناسب ۶۰ سے ۷۰ فیصد تک پہنچ جائے گا۔ نیز یہ "سبز باغ دعویٰ" بھی کیا گیا کہ دیہی علاقوں میں تعلیمی معیار شہر کے برابر لا کھڑا کیا جائے گا۔ اور جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے معیار کو بلند کر کے طلبہ کو کمپیوٹر کے دور کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے قابل بنا دیا جائے گا۔ اب موجودہ دور میں بھی ایک بار پھر خواندگی کی شرح میں انقلابی اضافوں کا اعلان کیا گیا ہے۔ ایک خود مختار خواندگی کمیشن بھی تشکیل دیا گیا۔ جس کے چیئرمین نے یہ شرح خواندگی (ایک عالمی کانفرنس میں) آئندہ صرف چار سالوں میں ۲۷ سے بڑھا کر ۷۰ فیصد تک پہنچا دینے کا دعویٰ کیا اور ایک پریس بریفنگ میں کہا ہے کہ ملک کے ایک لاکھ دیہات میں پرائمری اسکول کھولے جائیں گے ان میں ٹی وی فراہم کیئے جائیں گے۔ اور ہر طالب علم کو ہر ماہ ۵ کلو چاول اور ۵ کلو گندم مہیا کی جائے گی۔

وقت کا تقاضا یہ ہے کہ خواندگی میں اضافے کو نعرہ بازی کے بجائے مشن اور مقصد کے طور پر اپنایا جائے۔

۹۵-۱۹۹۴ء کے بجٹ میں تعلیم کے لئے مختص شدہ رقم ۱۲۱.۶۱۳ ملین روپے اقراء سرچارج کے نام پر ۶۰ ارب روپے جمع کئے جا چکے ہیں۔ اس میں سے کتنی رقم فروغِ تعلیم کے منصوبوں پر خرچ ہوئی؟ اور کتنی بغیر ڈکار لئے ہضم کر لی گئی؟ ان سوالوں کا جواب ابھی تک سوالیہ اور وضاحت طلب ہے۔ حالانکہ اتنے روپوں سے ۱۶۰ اضلاع

میں ۶۰ یونیورسٹیاں قائم کی جاسکتی تھیں جو تربیت یافتہ افرادی قوت کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کر سکتی ہیں۔

ایک سروے کے مطابق ہمارے ملک میں ۶۲.۳ فیصد والدین سرے سے تعلیم کی اہمیت سے ہی ناواقف ہیں۔ جبکہ ۲۲.۱ فیصد والدین کمر توڑ مہنگائی کے باعث اپنے بچوں کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ جس کی وجہ سے بچوں کی اکثریت کو کم عمری میں ہی غمِ روزگار میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔

اس وقت ہمارے ملک میں پانچ کروڑ چالیس لاکھ افراد ان پڑھ ہیں اور بیروزگاروں کی تعداد میں سالانہ ایک لاکھ افراد کا اضافہ ہورہا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں افراتفری، لوٹ مار، جبر و تشدد، غربت، بدامنی، قتل و غارت، ڈیپریشن، سیاسی انتشار، عدم تحفظ کا فقدان، لاقانونیت جیسے امراض ناسور کی طرح پھیل رہے ہیں۔

ہمارے قومی بجٹ میں رکھی جانے والی ناکافی رقم بھی تعلیم کے فروغ میں رکاوٹ کا سبب ہے۔ جبکہ جاپان اور ملیشیا اپنے قومی بجٹ کا ۷ فیصد حصہ تعلیم کی ترقی پر خرچ کررہے ہیں بھارت ۳.۷ فیصد اُردن ۸ فیصد اور متحدہ عرب امارت اپنی کل آمدنی کا ۱۶ فیصد سالانہ معیارِ تعلیم کو بہتر بنانے کے

☆ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دو علم چاہتا ہے ایک یہ کہ وہ اپنی عبودیت کو پہچانیں اور دوسرا یہ کہ اللہ کی ربوبیت کو پہچانیں۔ (جنید بغدادیؒ)

لئے مختص کرتے ہیں۔ یہی اندازِ فکر ہی ان ممالک میں تعلیم کے فروغ کا باعث بنا ہے۔ جبکہ ہمارے یہاں نہ وقت کی پکار کو محسوس کیا جاتا ہے اور نہ ہی علم کی اہمیت پر سنجیدگی سے غور کرنے کی زحمت گوارہ کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج زمانہ ہم سے روٹھ گیا ہے اور ہم دنیا کی ناخواندہ ترین قوموں میں شمار ہوتے ہیں۔

دنیا ایک ایسے دور میں داخل ہونے والی ہے جو "سائبر اسپیس کا دور" کہلاتا ہے۔ یہ اطلاعات، علم اور سائنس کا دور ہوگا۔ ایک زمانہ تھا جب ذہن کو طاقت اور قوت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ پھر دولت فخر کا نشان اور معیار ٹھہری۔ لیکن آنے والا دور "علم کا دور" ہوگا۔ جس ملک کے پاس جتنی اطلاعات زیادہ ہوں گی وہ اتنا ہی دوسرے ملکوں سے آگے ہوگا۔ مُفلس اور مفلوج قوم کے پاس خواہ ہزاروں ایف سولہ طیارے ہوں، سینکڑوں ایٹم بم ہوں۔ سب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ علم سب کو شکست فاش دے دے گا۔!!

نیک بچہ

شبیر بیگ ناز

صبح اُٹھ کے کرتا ہے سب کو سلام
بڑوں کا ہے کرتا سدا احترام
وہ جاتا ہے مسجد کو باقاعدہ
ہے روزانہ پڑھتا خُدا کا کلام
وہ بیکار باتوں میں پڑتا نہیں
فقط رکھتا ہے کام سے اپنے کام
وہ اپنے حسیں عمل و کردار سے
ہے کرلیتا اپنے خُدا کو بھی رام
وہ ملحوظ رکھتا ہے آداب کو
کسی سے جو ہونے لگے ہم کلام
سدا اپنے اللہ کو خوش رکھ سکے
اسی دُھن میں رہتا ہے وہ صُبح و شام
جو مِل جائے اس پہ ہی شکرِ خُدا
وہ بنتا نہیں خواہشوں کا غُلام
کبھی دِل کسی کا دُکھاتا نہیں
سمجھتا ہے وہ نازؔ اس کو حرام

جنّت ماؤں کے قدموں تلے کیوں ہے؟

شمع انعام

اِسلام میں ماں باپ کی طرف سے بچوں کے لئے بہترین تحفہ اچھی تعلیم و تربیت کو قرار دیا گیا ہے لیکن بچّوں کے ساتھ ساتھ بچّیوں کی تعلیم پر بھی بے حد زور دیا گیا ہے۔ نبی کریمؐ کا فرمان ہے : "علم کا حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔"

آپؐ نے بعض اوقات مُسلمان مردوں کو قرآن مجید کے خاص خاص حصّوں کی طرف متوجہ کیا کہ وہ اپنی عورتوں کو تعلیم سِکھائیں۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں میں ایمانیات اور اصولِ دین پر بحث کی گئی ہے۔ ان کے بارے آپؐ کا ارشاد ہے :

"بلاشبہ اللہ نے سورہ بقرہ کو ایسی دو آیتوں پر ختم کیا ہے جو مجھ کو اس مخصوص خزانے سے دی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہیں پس تم خود بھی اس کو سیکھو اور اپنی بیویوں کو بھی سِکھاؤ۔"

رسول پاکؐ کی سیرت مبارکہ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے آپؐ نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اپنی بیٹیوں اور بیویوں کی تعلیم و تربیت کی جانب خاص توجہ دی۔

حضور اکرمؐ کے زمانے میں مردوں میں بھی پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا اور عورتوں میں تو تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ قریش کے سارے قبیلے میں صرف سترہ افراد پڑھے لکھے تھے ان میں حضرت شفا (بنت عبداللہ عدویہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لکھنے کا فن حضور اکرمؐ کی منشا سے حضرت شفا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی سیکھا تھا یعنی آپؐ نے عورتوں کے لئے اتنا ہی خیال کافی نہ سمجھا کہ وہ دین کے احکامات سے واقف ہوجائیں بلکہ کتابی تعلیم اور دُنیاوی تعلیم بھی ضروری خیال کی تاکہ خواتین لکھا ہوا علم پڑھ سکیں اور پڑھا ہوا علم یاد کر کے لکھ سکیں۔

حضرت شفا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔ "ایک روز میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بیٹھی تھی، آپؐ نے فرمایا : جس طرح تم نے ان کو کتابت سکھائی ہے کیا اسی طرح ان کو مرضِ نملہ کی دُعا نہیں سکھاؤں گی۔"

آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعلیم کا خاص بندوبست کیا۔ اسلام میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کی حد درجہ اہمیت دینے کی وجہ یہ ہے کہ عورت بنیادی طور پر بچّوں کی تعلیم و تربیت اور نظمِ خانہ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ بچّوں کی تعلیم و تربیت ماں کی گود سے ہی شروع ہوتی ہے یعنی گھر سے اور پھر آخری عمر تک جاری رہتی ہے کیونکہ علم کی کوئی حد نہیں۔ آپؐ نے خود فرمایا ہے : "علم حاصل کرو ماں کی گود سے لے کر قبر کی گود تک۔ عورت ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کی اہم ذمّہ دار ہے اس لئے پیارے نبی کریمؐ نے فرمایا : جنّت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔"

اسلام بہترین دین اور بہترین نظامِ زندگی ہے۔ جو عورت اسلامی طرزِ حیات سے واقف ہوگی وہ اپنے بچوں اور گھر کے افراد کے لئے بہترین تربیتی نظام وضع کر سکتی ہے اور ایک پاکیزہ اور صحت مند معاشرے کی تشکیل میں اپنی ذمہ داری نہایت احسن انداز سے ادا کر سکتی ہے۔

والدین لڑکوں کے ساتھ ساتھ اپنی بچیوں کو بھی پڑھائیں لکھائیں اور ان کی بہترین تعلیم و تربیت کریں تو آنے والا کل نہایت خوشگوار، پُروقار، پُرسکون اور ایک بہترین معاشرے کا ضامن بن سکتا ہے۔

ذکر کچھ ڈاکٹری نسخوں اور مدیران کے خطوط کا

محمد بن مالک

اس جدید دور میں جدھر، تعلیم ہر سو عام ہے، فنِ خطاطی کا رواج پرانا اور ہر طرف پھیل چکا ہے، ادھر سے ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے خیالات کو خوش خطی میں قلمبند کرنے کے بجائے محض چند کیڑے مکوڑوں کے سانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔ ہمارے اس مضمون کا موضوع ایسے ہی افراد ہیں۔

سب سے پہلے ذکر ہو جائے ڈاکٹروں کا۔

مریض کے مرض کی کیفیات سُننے کے بعد یہ اتنی پھُرتی سے پیڈ پر قلم چلاتے ہیں جیسے کوئی ماہر فنِ قصاب بکرے کے گلے پہ چھُری پھیرتا ہے۔ ابھی مریض اپنے مسیحا کی مزید توجہ کا طالب ہوتا ہے، ڈاکٹر سے تسلّیاں اور دلاسے چاہتا ہے، پوچھنا چاہتا ہے کہ "ڈاکٹر صاحب! پرہیز کن چیزوں کا کریں۔" کہ ڈاکٹر صاحب کاغذ کا ایک پُرزہ ہاتھ میں تھما دیتے ہیں اور فرماتے ہیں : "برابر میں

دوا فروش کی دکان ہے' دوا دے دیگا۔" وہ صاحب حیران پریشان کاغذ کے پُرزے پر نظر ڈالتے ہیں تو چند اُلٹی سیدھی رعشہ زدہ لکیریں نظر آتی ہیں...... جو کبھی کسی لہراتے ہوئے مخمور سانپ کی تصویریں لگتی ہیں' کبھی کسی ماہر چینی خوش نویس کا کرشمہ تحریر اور کبھی اس بچے کی ستم ظریفی جو زبردستی اپنے بڑے بھائی کی کاپی پینسل سنبھال لیتا ہے۔ ایک صاحب جو کہ اتفاق سے زولوجی کے طالب علم تھے۔ اپنے نسخے پر چند آڑھی ترچھی لکیریں دیکھ کر بپھر گئے۔ سمجھے کہ اس میں کیڑوں کی مختلف حرکات (Movements) کی نشاندہی کی گئی ہے .... ڈاکٹر سے جھلا کر بولے ..... "جناب...... میں نے نسخہ مانگا تھا' بائیلوجی کا سبق نہیں۔" ڈاکٹر صاحب جو کہ شاید ماہر نفسیات بھی تھے' مُسکراتے ہوئے گویا ہوئے : "اجی' آپ اسے کمپاؤنڈر کے پاس تو لے کر جائیے۔" وہ صاحب کمپاؤنڈر کے پاس گئے اور دیکھ کر بے حد حیران ہوئے کہ کمپاؤنڈر نے نسخہ صرف ایک نظر دیکھنے کے بعد دوائیاں نکال کر پُڑیا بنادی اور یہ بھی بتادیا کہ کون سی گولی صبح نگلنی ہے اور کون سی شام۔

ڈاکٹروں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے پڑھنا صرف نرسوں اور دوا فروشوں ہی کا کام ہے اور اللہ جانے وہ بھی کیسے پڑھ لیتے ہیں۔ اس مسئلے پر جب ایک ڈاکٹر صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے ایک بڑی دلچسپ کہانی سنائی۔ فرمایا : "میرے والد صاحب نے ایک ڈاکٹر سے نسخہ لکھوایا۔ دوا فروش سے دوا لینے کے بعد انہوں نے نسخہ بھی واپس لے لیا۔ اس نسخے کو انہوں نے دو سال تک بطور ریلوے پاس استعمال کیا۔ اس نسخے کی بدولت وہ ایسی محفلوں میں شریک ہوئے جہاں کسی وزیر کی سفارش کے بغیر جانا ممکن نہ تھا۔ اسی نسخے کو بطور سفارشی رقعے کے استعمال کر کے انہوں نے بڑے بڑے افسروں سے کئی کام لئے۔ آخر انہوں نے یہ نسخہ اپنے پوتے یعنی میرے بیٹے کو دیا جو دو ماہ تک اس نسخے کو سامنے رکھ کر پیانو پر موسیقی کی مشق کرتا رہا۔"

ایک صاحب نے ایک ڈاکٹری نسخے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ نیشنل آرٹ میوزیم میں بہترین تصاویر کی نمائش جاری تھی اور ان میں سے سب سے اچھی تصاویر کو انعام ملنا تھا۔ ان صاحب نے اپنے ڈاکٹری نسخے کو فریم کروا کے میوزیم میں رکھوادیا۔ کچھ دنوں کے بعد انہیں ہزاروں روپوں پر مشتمل پہلا انعام موصول ہو گیا۔ یہ تھے ہمارے ستم ظریفانِ ڈاکٹر صاحبان'

اب بات ذرا رسائل کے مدیران کی۔

کچھ عرصہ پہلے ہمیں ایک مضمون لکھنے کا شوق چرایا ..... مضمون تو خیر لکھ لیا ..... مگر اب

فکر دامن گیر ہوئی کہ اسے منظرِ عام پہ کیسے لائیں؟ آخر اسے ایک رسالے میں بھیج دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس رسالے کی طرف سے ایک خط موصول ہوا، جس میں بتایا گیا تھا کہ ہماری تحریر ناقابلِ اشاعت ہے ...... یہ خط اُردو ٹائپ رائٹر سے ٹائپ شدہ تھا۔ ہم بڑے مایوس ہوئے .....

مگر ایک ترکیب سوجھی .... اسی مضمون کو دوبارہ لکھ کر ایک دوسرے رسالے کو بھیج دیا ...... کچھ عرصے بعد ان کی جانب سے بھی ایک خط ملا جو کہ ہاتھ سے لکھا ہوا تھا .... لکھا ہوا کیا تھا، بلکہ قلم کو گھسیٹا گیا تھا ..... لاکھ سر پھوڑا، پٹخا ...... مگر ایک لفظ بھی پلے نہیں پڑا ...... خط کے آخر میں بائیں جانب چند لرزیدہ مثلثیں اور دائرے بنے ہوئے تھے، جس سے پتہ چلا کہ مکتوب نگار نے یہاں اپنے دستخط کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک رواج ہے کہ ہر آدمی اپنے دستخط پیچیدہ خط میں کرتا ہے، تاکہ کوئی دوسرا اس کے دستخط کی نقل نہ کرسکے ..... لیکن یہ خط جو کہ مجسمۂ پیچیدگی تھا، پورا کا پورا دستخط لگتا تھا جسے نقل کرنا تو دور کی بات پڑھنا بھی مشکل تھا۔ ہمارے خیال میں اوّل الذکر رسالے کے ایڈیٹر صاحب نے اپنی تحریر پر پردہ ڈالنے کے لئے خط ٹائپ کر کے بھیجا تھا۔

آخر میں ہم یہی سمجھے کہ یہاں بھی مضمون ناقابلِ اشاعت ٹھہرا ہے ...... مزید مایوسیوں نے آگھیرا ...... ادیب بننے کے تمام امکانات ختم ہوتے نظر آئے ...... خط کی تحریر یاد آئی تو ایک اور شعر وارد ہوا۔ ع

چند نسخہ ڈاکٹراں، کچھ مدیران کے خطوط
بعد سر پھوڑنے کے بھی میری سمجھ میں کچھ نہ آیا

کچھ عرصے بعد ہم اس خط کو اور اپنے مضمون کو بھول چکے تھے۔ لیکن چند مہینے بعد جب ہم نے اسی رسالے کا ایک تازہ شمارہ دیکھا تو حیرت اور خوشی کے جذبات مِل جُل سے گئے...... کیونکہ اس میں ہمارا مضمون پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا، جب کہ ہم اسے ناقابلِ اشاعت سمجھ بیٹھے تھے....... اب پتہ چلا کہ جس خط کو ہم ناکامی کا پروانہ سمجھے تھے، وہ تو کامیابی کی نوید دے رہا تھا۔ اس خط کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اپنے علاقے کے ایک فنکشن میں جس میں بڑے بڑے فنکار اور افسران آئے ہوئے تھے، ہم نے یہ خط چوکیدار کو دکھا کر اندر جانے کی اجازت لے لی ...... وہ شاید اسے کونسلر کا سفارشی رقعہ سمجھا تھا...... البتہ اگر وہ ہمیں سمجھ میں آجاتا تو کم از کم ہم دوستوں اور عزیزوں میں اعلان تو کردیتے ادیب بننے کا ...... ویسے بھی ہم میں ادب کی کمی ہے۔

اس مضمون کے چھپنے کے بعد ہم نے کوئی

اور مضمون نہیں بھیجا۔ مگر قریباً" پانچ مہینے کے بعد اس رسالے کی جانب سے ایک اور خط موصول ہوا۔ اس کی تحریر بھی پچھلے خط کی تحریر سے چنداں مختلف نہ تھی۔ بڑا غصّہ آیا۔ ؎

نہ سیکھے انہوں نے ادیب ہو کے آدابِ خوش نویسی

البتہ خط کے آخر میں کسی بدنصیب شعر کا ایک مصرعہ لکھا تھا جسے ذرا صاف لکھنے کی کوشش کی گئی تھی

وہ بدنصیب مصرعہ یہ تھا ؎

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے مری بات

ہت تیرے کی!" ہم نے تلملا کر کہا : "خاک دل میں اترے گی ان کی بات!! پہلے نگاہوں کے ذریعے کھوپڑی میں تو اُتر جائے۔"

اسی رسالے میں اکثر ہم یہ پڑھتے تھے کہ : "براہ کرم اپنی تحریریں کاغذ کے ایک جانب سطر چھوڑ کر اور انتہائی خوش خط لکھ کر بھیجیں۔" ہنہ! خودرا فضیحت، دیگراں را نصیحت تنگ آکر ہم نے مذکورہ رسالے کے ایڈیٹر کو ایک خط لکھا :

"جناب ایڈیٹر صاحب!

آداب!

آپ کا خط ملا۔ پڑھ نہ سکے کیونکہ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا بعد میں جب سمجھنے کی کوشش میں پسینے پسینے ہوگئے تو اسی خط سے ٹشو پیپر کا کام لیا...... آپ کو افسوس تو ہوگا......براہ کرم آپ ایک عدد ٹائپ رائٹر خرید لیں تاکہ آپ کا ایک روپے کا لفافہ بھی ضائع نہ ہو اور......اور

شاید کہ اُتر جائے میرے دل میں تری بات

فقط والسلام

خط کے آخر میں ہم نے ٹائپ رائٹر کے خوب فائدے گنوائے تھے بس پھر ہمیں صرف دو مہینے انتظار کرنا پڑا۔ اسی رسالے کے ایڈیٹر کا ایک خط جو کہ ٹائپ شدہ تھا، مل گیا، لکھا گیا تھا :

"عزیزم!

دعائیں!

تمہارا خط ملا...... پڑھ کر ہمیں احساس ہوا کہ واقعی ہمارے اِدارے کو ٹائپ رائٹر کی اشد ضرورت ہے۔ جب تک ٹائپ رائٹر سے کام چلتا رہے گا، ہم خوش نویسی سیکھا کریں گے ...... یہ جان کر یقیناً" تمہیں خوشی ہوگی ...... پچھلے خط میں ہم نے تم سے ایک مضمون کی فرمائش کی تھی۔ یہ فرمائش اب بھی برقرار ہے۔

امید ہے کہ تم خیریت سے ہوگے۔

خدا حافظ!

اب جبکہ ایڈیٹر صاحب نے ٹائپ رائٹر خرید لیا ہے۔ مزید تنقید کرنا فضول ہے کیونکہ "قدر کھودیتا ہے بار بار کا تنقید کرنا۔" ☐

سب اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں

نعمان احمد خان

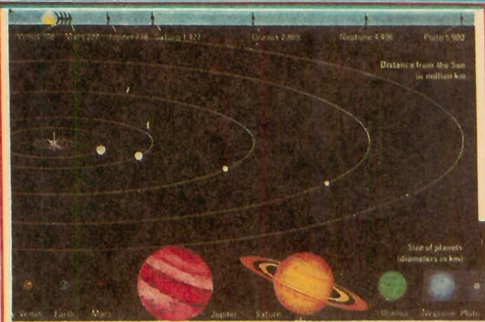

اللہ تعالیٰ نے کائنات تخلیق کی پھر اس کا نظام بنایا۔ یہ ایک مقررکردہ نظام ہے جو اپنی مدت مکمل کرنے کے بعد فنا ہو جائے گا۔

سورج نظام شمسی کا سربراہ ہے۔ یہ ایک ستارہ ہے مگر اس کا سائز درمیانہ ہے۔ اس سے بڑے سیارے بھی ہمارے کائنات میں ہیں۔ اس کے قلب میں جوہری توڑ پھوڑ سے حرارت خارج ہوتی رہتی جو ہمارے لئے توانائی کا بہت بڑا ذریعہ ہے اس بھٹی میں اتنی حرارت ہے کہ اگر ابھی اس میں جوہری توڑ پھوڑ کا عمل رک بھی جائے تو زمین والوں کو لاکھوں سال بعد اس کی خبر ہوگی۔

یہ تصویر پلوٹو سیارے کی ہے یہ سب سے چھوٹا سیارہ ہے۔ سورج سے بہت دور اور نہایت سرد۔ سب سے آخر میں یعنی ۱۹۲۹ء میں دریافت ہوا۔

یہ سیارہ زحل اگرچہ اپنے حلقے کی وجہ سے بہت خوب صورت نظر آتا ہے مگر اتنا رنگ برنگی بھی نہیں جتنا دکھائی دے رہا ہے۔ خلائی جہاز وائی گر اؔ نے اس کی یہ تصویر کھینچی۔ آپ کی وضاحت کیلئے ہم بتا دیں کہ اورنج حصہ امونیا گیس اور نیلا حصہ امونیا گیس کی تیرتی قلموں کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ ہم نے خود ہی رنگا ہے! اور ہاں زحل کا حلقہ بھی واحد نہیں بلکہ ہزاروں چھوٹے چھوٹے حلقوں کا گچھا ہے۔

یہ سرخ رنگ کا دائرہ کسی بچے کی ڈرائنگ شیٹ پر بنی ہوئی تصویر نہیں۔ ہائیڈروجن گیس کا وہ دہکتا ہوا حلقہ ہے جو سورج کی دہکتی ہوئی سطح سے خارج ہوتے ہیں مگر انہیں صرف سورج گرہن کے وقت دیکھا جا سکتا ہے وہ بھی خاص آلات کی مدد سے۔

چلے ہو تو چین کو چلئے

چین اور چینی قوم کے بارے میں دلچسپ معلوماتی فیچر

سلمان خان

چین ہمارا عظیم ہمسایہ ملک ہے۔ یہ پاکستان کے بعد آزاد ہوا۔ آپ کو تو معلوم ہی ہو گا کہ یکم اکتوبر چین کا قومی دن ہے۔ چین میں طویل عرصے تک خانہ جنگی رہی جس کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۴۹ء میں ماؤزے تنگ نے چینی عوام کی طاقت سے چیانگ کائی شیک کا تختہ اُلٹ دیا اور ایک عوامی حکومت کی بنیاد رکھی۔

عوامی جمہوریہ چین، مشرقی ایشیا کے بہت بڑے علاقے پر پھیلا ہوا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس میں منگولیا اور سنکیانگ جیسے خود مختار علاقے بھی شامل ہیں۔ اس کا رقبہ ۳۷ لاکھ ۴ ہزار، چار سو مربع میل ہے جو پوری دنیا کا چودہواں حصّہ ہے۔ رقبے کے اعتبار سے روس اور کینیڈا کے بعد چین دُنیا کا سب سے بڑا ملک ہے، آبادی کے اعتبار سے دنیا کی پوری آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔ چین کی آبادی نوے کروڑ کے قریب ہے۔

چین کا دارالحکومت "پیکنگ" ہے یہ شہر ثقافتی، اقتصادی اور رسل و رسائل کا مرکز ہے۔ دوسرا اہم اور مرکزی شہر شنگھائی ہے جو تجارت وصنعت کا مرکز اور سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ کینٹین، دوہاں اور مکڈن مشہور شہر ہیں۔ قومی و سرکاری زبان چینی ہے، مذہب بدھ مت ہے، چاول، کپاس، گندم، چینی، چائے، کوئلہ، لوہا، تیل، کاغذ، نمک، چمڑا، سوت اور سوتی کپڑا اہم پیداوار ہیں...... صنعتی میدان میں چین نے بڑی ترقی حاصل کی ہے۔ گھڑیاں، سائیکلیں، کپڑا سینے کی مشینیں تیار کرنے کی صنعتیں عروج پر ہیں۔ سکّے کا نام یو آن "چینی ڈالر" ہے۔ چین کی سرحدیں تھائی لینڈ، برما، پاکستان، ہندوستان، روس اور سائبیریا سے ملتی ہیں۔ مشرق میں بحرالکاہل واقع ہے۔ دیوارِ چین چینی عوام کی ہمت اور عظمتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تین ہزار سال پہلے بھی چین دنیا کا تہذیب یافتہ ملک سمجھا جاتا تھا۔ اس قوم نے مختصر مدت میں جتنی تیزی سے ترقی کی ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ چینی عوام محنتی اور جفاکش ہیں۔ محنت ہی کی بدولت انہوں نے دنیا میں اپنا مقام بنایا ہے۔ چین میں صحت وصفائی اور تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ وہاں باورچی خانوں کا اکثر معائنہ ہوتا رہتا ہے۔ جہاں گندگی پائی جاتی ہے وہاں جُرمانہ کیا جاتا ہے۔ چین میں عموماً چوریاں بھی نہیں ہوتیں۔ ایک غیر ملکی صحافی خاتون کے بیان کے مطابق وہ چار مہینے چین میں رہی اس عرصے میں صرف ایک سائیکل کی چوری کی مثال مل سکی۔

چین میں آج سے دو ہزار سال پہلے جڑی بوٹیوں سے علاج کیا جاتا تھا۔ آج بھی وہاں مغربی دواؤں اور جدید طب کی ترقی کے ساتھ ساتھ جڑی بوٹیوں سے علاج معالجہ کیا جاتا ہے۔ اکوپنکچر کا طریقہ علاج بہت مقبول ہے اور اب یہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔ اس میں مریض کے مُتاثرہ حصّے پر چھوٹی چھوٹی سوئیاں گاڑھ کر علاج کیا جاتا ہے۔ چینیوں کو اپنی روایات اور قدیم طب سے بڑی محبّت ہے۔

چینی فوج کا موٹو ہے "اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ، سہارے تلاش نہ کرو۔" یہی وجہ ہے کہ فوج نہ تو عوام سے اور نہ کسی باہر ملک سے کوئی مدد یا تحفہ قبول کرتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے فوج کا کردار مُتاثر نہیں ہوتا جب کہ ہمارے ملک پاکستان میں فوج کا یہ حال ہے کہ امریکہ کی امداد کی منتظر رہتی ہے حالاں کہ یہ وہی امریکہ ہے جو ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوج کی مدد کے لئے اپنا بحری بیڑہ بھیج رہا تھا۔ پاکستانی فوج آخر تک اس امداد کا انتظار کرتی رہی لیکن بحری بیڑہ نہیں پہنچا۔ امریکہ پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے پاکستان کو اس جنگ میں عبرت ناک شکست سے دو چار ہونا پڑا اور اس کے نوے ہزار فوجی قیدی بنالئے گئے۔ چینی فوج اپنے زورِ بازو پر بھروسہ کرتی ہے اور اس کی ترقی کا راز اپنی مدد آپ ہے۔

چین میں چار بڑے دریا ہیں جو پہلے سیلاب سے بڑی تباہی مچاتے تھے مگر اب ان سیلابوں پر قابو پالیا گیا ہے۔ "دریائے زرد" چین کے سات بڑے صوبوں میں بہتا ہے۔ اس کے ساحل پر ایک ہزار سے زیادہ بجلی گھر بنائے گئے ہیں، دو ہزار سے زائد آبی ذخیرے تعمیر کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے چین میں زراعت خوشحال ہے، چین کو کبھی کسی باہر ملک سے اناج منگانا نہیں پڑتا جبکہ پاکستان میں نااہل حکومتیں غلط پالیسیوں کے سبب اناج باہر سے منگواتی ہیں جس پر اچھا خاصا زرِ مبادلہ خرچ ہوتا ہے۔

چین کے بانی ماؤزے تنگ کا قول ہے کہ "ہر لمحہ عوام کی خدمت کرو۔" اس قول پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور چینی عوام کبھی پریشانیوں کا شکار نہیں ہوتی جبکہ پاکستان میں حکمراں طبقہ عوام کو ہمیشہ پریشانیوں اور فکروں میں مبتلا رکھتا ہے۔ حکمران عوام کی خدمت کی بجائے اپنے بینک بیلنس، پلاٹ پرمٹ اور جائیداد بنانے میں مصروف رہتے ہیں۔

چین اور پاکستان دوستی کے عظیم رشتے سے منسلک ہیں۔ چین نے ہر مشکل وقت میں پاکستان کا ساتھ دیا ہے۔ دونوں ملک ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اور بہت سے منصوبوں میں

ساتھ ساتھ کام کر رہے ہیں۔

چین میں اسلام

چین میں اسلام ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں پہنچا۔ اس وقت چین میں تھانگ خاندان کی حکومت تھی۔ چین میں اسلام کس طرح سے آیا اس کی سب سے بڑی وجہ اس کی عرب سے دوستی تھی۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں ایک وفد چین پہنچا جس کے سربراہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔

مُسلمان تاجروں نے بھی چین میں اسلامی اثرات پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ مُسلمان تاجر عرب اور ایران سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ زیادہ تر بحری راستوں سے تجارت کرتے اور چین آتے جاتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کینٹین کے مقام پر جو مسجد بنوائی وہ ابھی تک وہاں موجود ہے۔ یوآن اور مینگ زبانوں میں بہت سے چینی اسلام لائے۔ مسلمانوں کی پہلی بڑی بستی تھانگ عہد میں چانگ آن میں قائم ہوئی۔ چھینگ کے زمانے میں مسلمانوں کے ساتھ پانچ معرکتہ آلارا لڑائیاں ہوئیں جن میں لاکھوں کی تعداد میں مُسلمان شہید کردیئے گئے اس کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ اب چین کے مُسلمان خوش و خرّم زندگی گزار رہے ہیں اور ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ پاؤ آن میں بہت بڑی تعداد مُسلمانوں کی ہے۔

۱۸۶۲ء میں چین میں مشین پر پہلا قرآن پاک شائع ہوا۔ چین میں عربی خطّاطی کے نادر نسخے موجود ہیں جن کی تاریخ تقریباً ہزار برس پُرانی ہے۔ بیجنگ کی وونگ سی مسجد میں آج بھی بہت سی قدیم قلمی کتابیں محفوظ ہیں۔ چین کی اسلامی انجمن کے پاس بہت سی نادر اسلامی کتب کی جلدیں محفوظ ہیں۔

یارقند اور کئی دوسرے شہروں میں دینی مدارس قائم ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لئے ایک کالج بھی قائم کیا گیا ہے۔ یہاں عربی کی تعلیم یونی ورسٹی کی سطح تک دی جاتی ہے۔ موجودہ چین کی شاندار ترقی ایشیا اور افریقی ملکوں کے لئے ایک روشن مثال ہے!!

بڑے لوگوں کی عجیب و غریب عادتیں

- نپولین رات کو تین چار گھنٹوں سے زیادہ نہیں سوتا تھا۔
- روس کی ملکہ کیتھرین بالوں میں کنگھا نہ کرتی تو اسے نیند نہیں آتی تھی۔
- چرچل دو مسہریوں پر سوتا تھا۔
- جارج ڈکنز قطب نما سے بستر کے مرکز کا تعین کرکے سوتا تھا۔

مرسلہ : عالم شفیع ہمدم، جھنگ

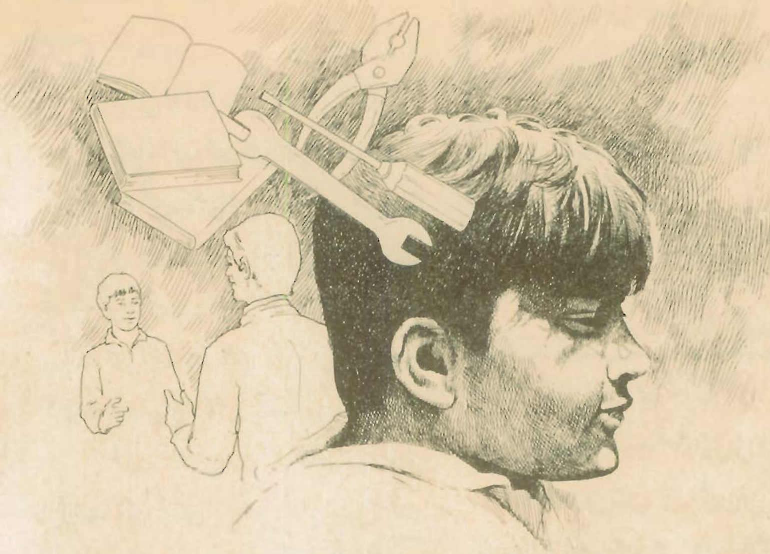

جگنو

شمائلہ قاسم

"سب اپنی اپنی کتابیں نکال لیں" ماسٹر صاحب اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔ سب بچے جلدی جلدی کتابیں نکالنے لگے۔ "ہوں .... نکل گئیں سب کی کتابیں" "یس سر ......" بچوں نے کورس کے انداز میں کہا۔ ماسٹر صاحب کی آنکھ نے چشمے کے پیچھے سے پوری کلاس کا جائزہ لیا اور آخر کار اپنی عقابی نظروں کی مدد سے اقبال کو پکڑ ہی لیا۔ "کہاں ہے تمہاری کتاب" ماسٹر صاحب نے اس کی ڈیسک پر چھڑی مارتے ہوئے کہا۔ "وہ ...... وہ ...... سر دراصل ..... میں ...... وہ اصل بات پوری کلاس کے سامنے بتانا نہیں چاہ رہا تھا۔

"ہوں .... برخوردار آج کوئی نیا بہانہ نہیں سوجھ رہا کیا۔ ایک تو میں تم سے بڑا پریشان ہوں۔ کبھی تمہارا یونیفارم صاف نہیں ہوتا۔ کبھی بٹن ٹوٹے ہیں تو کبھی جیب اُدھڑی ہوئی ہے اور

کبھی کوئی کاپی یا کتاب نہیں ہوتی آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟" ماسٹر صاحب بولتے ہی چلے گئے۔ "ماسٹر صاحب میں بتاؤں۔" پیچھے سے وقاص کی آواز آئی۔ ماسٹر صاحب وقاص کی طرف مڑے "کیا بتانا چاہتے ہو تم؟" "وہ میں کل ابو کے ساتھ ایک ورک شاپ میں گیا تھا سر! وہاں اقبال بھی کام کررہا تھا لیکن اس نے مجھے دیکھا نہیں۔" وقاص نے بتایا۔ "تم ورک شاپ میں کام کرتے ہو اقبال؟" ماسٹر صاحب نرم پڑتے ہوئے اقبال کی طرف مُڑے۔ "جی ہاں سر" اقبال نے ہولے سے جواب دیا۔ میرے ابو کا انتقال ہوچکا ہے اور میں ہی اپنے گھر کا واحد کفیل ہوں۔" "تو تم اپنی فیس کا بندوبست کیسے کرتے ہو" ماسٹر صاحب نے پوچھا۔ "ہمارے ورک شاپ میں ایک صاحب آتے ہیں۔ انہوں نے ہی میری ہمت بندھائی کہ میں بھی پڑھ سکتا ہوں اور وہی میری فیس ادا کرتے ہیں، مگر ان کی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ وہ میری کتابوں اور یونیفارم وغیرہ کا بھی خرچہ برداشت کریں۔"

"ہوں .... اچھا ٹھیک ہے چلو بیٹھ جاؤ اور اقبال تم اپنے برابر والے کی کتاب میں دیکھ کر پڑھو۔" تھوڑی دیر بعد ماسٹر صاحب تو اپنا پیریڈ ختم کرنے کے بعد چلے گئے لیکن لڑکوں کی آوازوں نے اقبال کو گھیر لیا۔ "یار! یہ تو ورکشاپ کا بادشاہ ہے۔" "ہاں بھئی پلاس پانے کا کھلاڑی جو ہوا۔" ایک لڑکے نے بیچ میں لقمہ دیا۔

"یار سمجھ میں نہیں آتا لوگ تعلیم کے فروغ کے لئے اتنی کوششیں کیوں کررہے ہیں اور بضد ہیں کہ غریب طبقہ بھی تعلیم حاصل کرے کیونکہ ناخواندگی ہمارے ملک کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔" "غلط بالکل غلط۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ طبقہ بھی تعلیم حاصل کرلے تو ہماری مشین کون چلائے گا، اناج کون اُگائے گا اور مکانات، سڑکیں وغیرہ کون تعمیر کرے گا یہ تو سراسر ملک کا نقصان ہے۔"

اس لڑکے کی بات کے اختتام پر ایک زور دار قہقہہ پڑا اسی وقت انٹرول کی گھنٹی بج اُٹھی تو لڑکے جماعت سے باہر چلے گئے لیکن اقبال گُم سُم اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ اس کا دل جیسے کٹ رہا تھا۔

☆ --- ☆ --- ☆

آج اسکول میں ماسٹر صاحب بچوں کا ہوم ورک چیک کررہے تھے، اقبال کی باری پر بولے "ہاں بھئی اقبال اپنا ہوم ورک چیک کراؤ۔" "وہ سر میں نے نہیں کیا۔" "نہیں کیا" ماسٹر صاحب دھاڑے اور میز پر پین پٹخ کر کھڑے ہوگئے "کیوں نہیں کیا؟" "وہ ماسٹر صاحب کل ورک شاپ میں اُستاد نے بہت دیر میں چھٹی دی تھی اس لئے ...." اس کا سر ندامت سے جھک گیا۔ "تم حد

سے بڑھ رہے ہو اقبال خیر کل کام مجھے مکمل چاہئے اور ہاں کل نویں کے بورڈ کی امتحانی فیس جمع کروانے کی آخری تاریخ ہے' پیسے ضرور لانا ورنہ امتحان میں بیٹھنے نہیں دیا جائے گا اور اگر پیسوں کا انتظام نہ ہوسکے تو اسکول آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ہاف ٹائم میں اقبال سر کے پاس گیا "سر میں پیسوں کا انتظام نہیں کر سکتا' آپ پلیز ہیڈ ماسٹر صاحب سے بات کریں شاید وہ کوئی راستہ نکال لیں۔ سر میں پڑھنا چاہتا ہوں آپ میری مدد کریں گے ناں" اقبال التجائیہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"تم ان صاحب سے کیوں نہیں کہتے جو تمہاری فیس ادا کرتے ہیں۔" ماسٹر صاحب نے کہا "نہیں میں ان سے نہیں مانگوں گا وہ جو کچھ دے دیتے ہیں بس وہی لوں گا کیونکہ ان کی حیثیت اتنی نہیں ہے۔ میں ان پر بوجھ نہیں بننا چاہتا" اقبال نے جواب دیا۔ "تم وظیفے کے امتحان میں کیوں نہیں بیٹھتے؟" ماسٹر صاحب نے پوچھا "بیٹھا تھا سر لیکن وظیفہ حاصل نہ کر سکا۔"

"اچھا خیر میں بات کروں گا ہیڈ ماسٹر صاحب سے کل آکر معلوم کرلینا" ماسٹر صاحب نے کہا "بہت بہت شکریہ سر میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔" اقبال کی بجھی ہوئی اُمید جل اُٹھی۔ دوسرے دن وہ ماسٹر صاحب کے پاس گیا۔

"مجھے افسوس ہے اقبال میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کا کہنا ہے کہ اس طرح کے کئی بچے ہمارے اسکول میں ہیں ہم کس کس کے لئے کریں گے اگر ایک کے لئے بھی کریں تو یہ دوسرے بچوں کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ میں ہی تمہاری فیس دے دیتا لیکن میرے پاس بھی آج کل پیسے نہیں ہیں تمہیں تو پتہ ہے کہ اساتذہ کی تنخواہ کتنی کم ہوتی ہے اور پھر اتنی مہنگائی' سوری میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔" ماسٹر صاحب کی یہ بات سُن کر اقبال کا دماغ جیسے ماؤف ہوگیا۔

چھٹی ہوئی تو وہ بستہ اُٹھائے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ شام میں جب وہ ورکشاپ جارہا تھا تو اس کے قدم من من بھر کے ہورہے تھے۔ ابھی وہ کچھ ہی دور چلا تھا کہ اس کے کاندھے پر کسی نے بڑی شفقت سے ہاتھ رکھ دیا۔ اقبال نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے ورکشاپ والے محسن اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹے! بڑے اُداس لگ رہے ہو؟" انہوں نے بڑی محبّت سے پوچھا۔

"جی نہیں تو ...... مم ..... مم ...... میں بالکل ٹھیک ہوں .... میں ٹھیک ہوں۔"

اقبال نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "خاک ٹھیک ہو! کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی۔"

انہوں نے اس کے بکھرے ہوئے بالوں میں بڑی محبّت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے رہے پھر کہا۔ "کل اسکول جاؤ گے ناں؟"

"نہیں صاحب اب میں اسکول نہیں جاؤں گا آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرا بہت ساتھ دیا۔ اسکول میں داخلہ دلوایا۔ اسکول کی فیس دیں لیکن آپ مجھے بالے سے اقبال نہیں بنا سکے اور آج مجھے پتہ چل گیا ہے کہ کسی بھی بالے کو پڑھنے کا کوئی حق نہیں۔" اقبال بولتا چلا گیا۔ "ارے نہیں بیٹا ایسے نہیں سوچتے ...... اور تم تو اقبال کے شاہین ہو تمہیں تو بہت اونچا اُڑنا ہے اس ملک کے لئے، اس قوم کے لئے جو تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے ہے۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئے پھر دوسرے ہی لمحے اقبال کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"میں تمہارے اسکول گیا تھا۔ مجھے سب پتہ چل گیا ہے میں نے تمہاری فیس بھر دی ہے تمہیں کل اسکول جانا ہے۔ میرے ایک دوست ہیں اللہ نے انہیں مال و دولت سے نوازا ہے۔ انہوں نے تمہاری فیس کے پیسے ادا کئے ہیں اب تمہیں پڑھنے میں کسی قسم کی پریشان نہیں اُٹھانی پڑے گی۔" وہ دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے اور اقبال کی آنکھوں میں تشکر کے جگنو اُمید کی جلتی ہوئی کرنوں کے ساتھ اس کے دل میں فروغِ تعلیم کے شوق کو پروان چڑھا رہے تھے!!

آنکھ مچولی آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں بہتر سے بہتر رسالہ ترتیب دیں اور بروقت آپ تک پہنچائیں۔ ہماری کاوش آپ تک اور آپ کی رائے ہم تک پہنچانے میں

ہمارے معاون ہمارے مددگار

صوبہ سرحد و پنجاب میں "آنکھ مچولی" کے ایجنٹ

۱۔ افضل نیوز ایجنسی — پشاور — ۶۲۵۱۵
۲۔ سلطان نیوز ایجنسی — لاہور — ۵۸۲۴۹
۳۔ راولپنڈی نیوز ایجنسی — راولپنڈی — ۵۵۵۶۱۹
۴۔ اے ایس حامد نیوز سروس — ملتان — ۴۳۳۱۰
۵۔ فیاض بک ڈپو — فیصل آباد — ۲۷۴۰۶
۶۔ اسلم نیوز ایجنسی — گوجرانوالہ —
۷۔ سعید بک اسٹال — گجرات — ۳۶۳۹
۸۔ پاکستان اسٹنڈرڈ بک اسٹال — سرگودھا — ۶۲۹۵۱
۹۔ خالد بک اسٹال — گجرات — ۳۷۳۱
۱۰۔ طاہر نیوز ایجنسی — جہلم —
۱۱۔ چوہدری امانت علی اینڈ سنز — رحیم یار خان۔ ۲۶۲۶،
۱۲۔ مسلم بک ڈپو — سرائے عالمگیر —
۱۳۔ رحمت بک اسٹال — اوکاڑہ —
۱۴۔ رہبر نیوز ایجنسی — منڈی مدرسہ ضلع بہاولنگر
۱۵۔ ملک اینڈ سنز — سیالکوٹ ۸۷۹۸۹
۱۶۔ سلطانی نیوز ایجنسی — چکوال —
۱۷۔ اسلامی نیوز ایجنسی — وہاڑی — ۲۸۸۹
۱۸۔ کیپٹل نیوز ایجنسی — بہاولپور — ۲۹۵۷

خط و کتابت کے لیے سرکولیشن مینیجر" ماہنامہ آنکھ مچولی، اے پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

سائنس میں مسلمانوں کے علمی کارنامے

راشد محمود

مسلمانوں سے پہلے علم پر اہلِ یونان کا سکہ تھا لیکن وہ زیادہ تر منطق اور فلسفے کے ماہر تھے جبکہ مسلمان غور و فکر کے ساتھ ساتھ تجربے بھی کرتے تھے۔

"علم اور اس پر عمل کے طریقے سے مسلمانوں نے نت نئی ایجادات کے ڈھیر لگادیئے۔ شام، دمشق، استنبول، اسپین، اُندلس، بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ، علم و فن کے گہوارے تھے۔ یورپ کے عیسائی طلبہ علم حاصل کرنے یہاں آتے تھے۔ مُسلمان حکما اور عالموں نے علم و فن پر لاکھوں کتابیں لکھیں جن کے بعد میں یورپ میں تراجم ہوئے۔ مُسلمانوں کو اپنے علمی و عملی شوق کی وجہ سے تقریباً" سات صدیوں تک دوسری اقوام پر برتری حاصل رہی۔ اس دور میں مغرب جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔

جابر بن حیان (جسے یورپ والے بابائے کیمیا

کہتے ہیں) نے علم کیمیا میں گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ امریکہ کی مشہور عام یونیورسٹی "میسا چیوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں شعبہ کیمیا کی عمارت کی دیوار پر تاریخ کے دس عظیم ترین کیمیا دانوں میں جابر بن حیان کا نام شامل ہے۔ اسی طرح اسی یونیورسٹی کے شعبہ طبیعیات کی عمارت کی دیوار پر دس عظیم سائنس دانوں میں ایک نام ایک مسلمان سائنس دان "ابن الہیثم" (۹۶۵ تا ۱۰۳۹ء) کا بھی ہے۔ ابن الہیثم نے سائنسی دریافتوں کے لئے تجربے کرنا اور تجربے کر کے حقائق معلوم کرنا اپنا اصول بنا کر رکھا تھا۔ طبیعیات میں قانون انعکاس (Law Of Reflection) اور قانون انعطاف (Law Of Refraction) اسی کے دریافت کردہ ہیں۔

ابن الہیثم نے یہ بھی بتایا کہ روشنی کی لکیر ہمیشہ خط مستقیم میں سفر کرتی ہے اور روشنی آواز کی لہروں کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتار ہوتی ہے۔ اس نے سینکڑوں سال پرانی ایک غلط فہمی دور کی کہ دیکھنے کے لئے روشنی آنکھوں کے اندر سے نکلتی ہے۔ ابن الہیثم نے تجربہ کر کے بتایا کہ روشنی آنکھوں سے نہیں نکلتی بلکہ باہر کی روشنی آنکھوں میں داخل ہوتی ہے جس سے انسان کسی چیز کو دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس کی نادر دریافتوں کی وجہ سے یورپ نے اسے "بابائے بصریات" (The Father Of Optics) کا خطاب دیا۔ جرمنی میں اس کی مشہور کتاب "المناظر" کا حال ہی میں ترجمہ ہوا ہے۔

مُسلمان حُکما، مفکرین، موجدوں اور سائنس دانوں کی تعداد ایک دو نہیں ہزاروں میں ہے۔ ان میں ابن سینا، ابن بیطار، رازی، زہراوی، ابنِ نفیس دمشقی، دمیری، خوارزمی، عُمر خیام، ابوریحان البیرونی اور ادریس وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

مُسلمان حُکما اور سائنسدانوں کی لکھی گئی عِلمی کتابوں کی تعداد لاکھوں میں ہے جن میں سے سوا لاکھ قلمی نُسخے تو صرف استنبول (ترکی) کے کتب خانوں میں ہیں۔ اہلِ یورپ نے اپنی زبانوں میں ان علمی کتابوں کے ترجمے کرانے کے لئے اسپین اور اٹلی میں دارالتراجمے قائم کر رکھے تھے وہ سینکڑوں سال تک ان کے ترجمے کراتے رہے پھر بھی تمام کتابوں کے ترجمے نہ کرا سکے۔ کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

موجودہ دور کے مُسلمان ترقی کی دوڑ میں اس لئے پیچھے رہ گئے ہیں کہ تعلیم کے فروغ میں ان کے علمی و عملی شوق اور لگن کا جذبہ مفقود ہو چلا ہے۔

جتنے ہیں اُستاد ہمارے

انتخاب: سیّد محمد طلحہ

جتنے ہیں اُستاد ہمارے
سب ہیں جان و دل سے پیارے

قوموں کے معمار وہی ہیں
دُنیا میں سردار وہی ہیں

سچ کا رستہ دِکھلاتے ہیں
زندہ رہنا سِکھلاتے ہیں

ہر دم ہمدردی پر مائل
صابر، شاکر، قابل، کامل

وہ ہیں دریا، دھارے ہم ہیں
وہ ہیں چاند، ستارے ہم ہیں

رہرو ہیں ہم، وہ ہیں رہبر
ان کا رُتبہ باپ برابر

اپنے کام سے کام ہے ان کو
محنت میں آرام ہے ان کو

جس نے ان کی بات نہ ٹالی
سمجھو اس نے منزل پالی

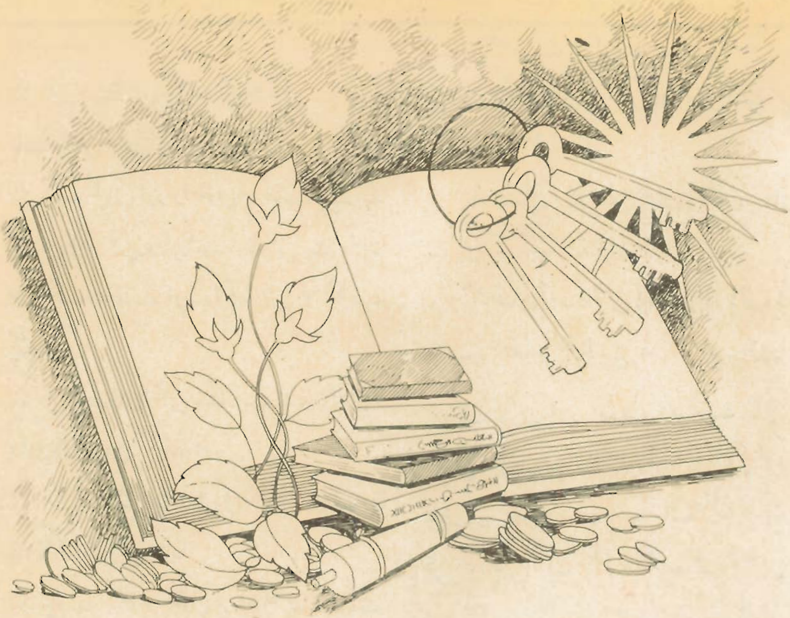

راستوں، شاہراہوں اور گزرگاہوں کا احترام

شبنم عُمر خان

راستے، گزرگاہیں اور شاہراہیں انسان کی تہذیب وتمدن کی آئینہ دار ہیں۔ گلیاں، سڑکیں، راستے آمدورفت کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ یہ ان میں چلنے والوں کے اخلاق و کردار، اجتماعیت ومعاشرت، طرزِ فکر اور ان کی شائستگی اور احترام کے بھی ترجمان ہوتے ہیں۔

پیارے نبی کریم حضرت محمدؐ نے راستے کے آداب بتائے ہیں اور گلیوں اور بازاروں میں کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان ہے کہ : "راستے اور گزرگاہیں لوگوں کی بھلائی کے لئے ہیں ان میں رکاوٹیں پیدا کرنا خدا کے بندوں کو تکلیف پہنچانا ہے۔"

راستے کی رکاوٹیں درج ذیل ہیں :

☆ راستے میں ستون کھڑے کرنا یا بیچ میں درخت لگانا، کھمبا لگانا جس سے راستہ تنگ

ہوجائے۔

☆ بیچ راستے میں بینچیں لگادینا جس سے آنے جانے والوں کو پریشانی ہو۔

☆ تنگ گلیوں اور راستوں پر کھانے پینے کے ٹھیلے لگا کر خرید و فروخت کرنا جس سے راستہ مزید تنگ ہوجائے اور راہگیروں کو تکلیف پہنچے۔

☆ پرنالے بنادینا جس سے آنے جانے والوں کو بُو اور چھینٹوں کی تکلیف ہو۔

☆ راستوں میں جانوروں کی آلائش پھینک دینا یا کوڑا کرکٹ ڈال دینا۔

☆ باؤلے کتّے راستوں پر مٹرگشت کے لئے چھوڑ دینا۔

اسلام میں ان منکرات سے سختی کے ساتھ بچنے کی تاکید کی گئی ہے جس سے عام لوگوں کو پریشانی اور تکالیف کا احساس ہو۔ ان منکرات کا خاتمہ قصبات اور شہر کے بلدیاتی اداروں اور ملک کی صوبائی و مرکزی حکومتوں کی اوّلین ذمّہ داری ہے۔ اسلامی معاشرے میں تو ایسے تکلیف پہنچانے والے غلط کام کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید کی سورہ احزاب کی آیت نمبر ۸۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ان کے کسی قصور کے بغیر اذیت دیتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور سراسر گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا۔" (القرآن)

پیارے نبی کریمؐ نے مسلمان کی شان یہ بتائی ہے، جیسا کہ آپؐ نے فرمایا :

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (۔مشکوۃ۔)

ایک پاکیزہ اور مہذّب معاشرے میں راستوں کا حق یہ ہے کہ انہیں ہر قسم کی گندگی اور تکلیف دہ رکاوٹوں سے پاک صاف رکھا جائے بالکل اسی طرح ایک مُسلم معاشرے میں ہر فرد پر ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ راستوں پر چلنے اور گزرنے والے ایسے تمام اعمال و افعال اور طور طریقوں سے اجتناب کریں جو انسانیت، اسلامی تہذیب، ثقافت اور شرافت کے اُصولوں کے منافی ہوں۔

جس ملک کے راستے، سڑکیں اور شاہرائیں بدتمیزی، بدتہذیبی اور بُرائیوں کی آماجگاہ بن جائیں تو یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس قوم سے شرم و حیا، انسانیت و شرافت رخصت ہوچکی ہیں۔

ہمارے مذہب اسلام نے ہمیں معاشرے میں چلنے پھرنے کے طور طریقوں کی واضح ہدایت دی ہیں ایسی ہدایات جن پر عمل پیرا ہونے سے

معاشرے میں دل کو بھاجانے والا انقلاب برپا ہوجاتا ہے۔ ایسا انقلاب جس میں سکون بھی ہے راحت بھی، اطمینان بھی ہے اور سلامتی بھی۔
آیئے راستوں کے آداب سیکھتے ہیں :

آپ کی چال کیسی ہونی چاہیئے؟

ہر مُسلمان اسلامی تہذیب کا نمائندہ ہے۔ راستوں اور گزرگاہوں پر اس کے چلنے کا انداز اس کی تہذیب سے ہم آہنگ ہونا چاہیئے۔ سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کی چال کے انداز کی منظر کشی اس طرح بیان فرماتے ہیں :

"رحمان کے اصل بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل میں متکبّرانہ چال کی بڑے حکیمانہ اور موثر پیرائے میں مذمت کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں :

"زمین میں اکڑ کر نہ چلو، نہ تو تم زمین پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بُلندی کو پہنچ سکتے ہو۔"

سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

"زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ اللہ کسی خودپسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔"

اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ نرم چال اللہ کو اس لئے پسند ہے کہ اس میں غرور کا انداز نہیں ہوتا اور نہ مصنوعی قسم کی مسکینی۔ اسی طرح زمین پر اکڑ کر چلنے والے، ظلم کا نشان بنتے ہیں۔ اس چال کو اللہ نے سخت ناپسند کیا ہے۔ اللہ کو وقار و متانت والی چال پسند ہے۔ اللہ کو وہ چال سخت ناپسند ہے جس کا مظاہرہ سڑکوں اور گزرگاہوں پر کبرو نخوت کا آئینہ دار ہو۔ ایسی چال سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔

چلتے وقت آپ کی نظریں نیچی اور سامنے ہونی چاہیئے!

اللہ اور رسولؐ پر سچّے دل سے ایمان لانے والا شرافت و حیا کا پیکر اور وقار و سنجیدگی کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔ راستہ چلتے ہوئے اس کی نگاہ سامنے اور نیچی رہتی ہے۔ اوباشوں اور بے راہروؤں کی طرح وہ دائیں بائیں جھانکتا اور تاکتا نہیں۔ پیارے نبی کریمؐ کا راستہ چلنے کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ چلتے وقت اپنے بدنِ مُبارک کو آگے کی طرف جُھکا کر چلتے جیسے کوئی بُلندی سے پستی کی طرف اُتر رہا ہو۔ آپ وِقار کے ساتھ ذرا تیز چلتے اور بدن کو چست اور سمٹا ہوا رکھتے آپ کی نگاہیں نیچی ہوتیں اور آپ چلتے ہوئے دائیں اور بائیں نہ دیکھتے۔"

اپنے آپ کو نمایاں کرنے اور بڑا سمجھنے سے بچو!

چلتے ہوئے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور اپنے

ساتھیوں میں نمایاں کرنا اور اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرنا خودپسند شخص کا خاصا ہوتا ہے۔ اس سے سختی کے ساتھ بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

آپؐ صحابہ کرامؓ کے ساتھ چلتے تو کبھی امتیازی شان ظاہر نہ ہونے دیتے۔ اکثر اپنے صحابہؓ کے پیچھے پیچھے چلتے اور کبھی بے تکلفی سے اپنے ساتھی کا ہاتھ بھی پکڑ لیتے۔

چلتے ہوئے اچھی صورت اختیار کرو!

اللہ تعالیٰ سراپا جمال ہے۔ اور اسے ہر چیز میں خوبصورتی پسند ہے۔ چلتے ہوئے بغیر کسی مجبوی اور عذر کے جوتیاں نہ پہننا، صرف ایک پاؤں میں جوتی ڈال لینا یا ایسی صورت اختیار کرنا جسے دیکھ کر لوگ مذاق اُڑائیں، ایک باوقار مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

پیارے نبی کریمؐ نے فرمایا : اکثر جوتے پہنے رہا کرو۔ جوتے پہننے والا بھی ایک طرح کا سوار ہوتا ہے۔" ایک اور جگہ آپؐ نے فرمایا۔ "کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے یا تو دونوں پہنے یا دونوں اُتار دے۔"

راہ گیر کو راستہ کا حق دینا چاہئے!

ہر راہ گیر پر لازم ہے کہ وہ راہ حق کا ادا کرنا سیکھے۔ حق یہ ہے کہ دوسروں کے لئے راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ مثلاً راہ میں اس طرح کھڑا ہوجانا یا بیٹھ جانا کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہو یا راستوں میں چیزیں فروخت کرنے کے لئے ٹھیلے اور چھابڑیاں اس طرح کھڑی کردینا کہ آنے جانے والوں کے لئے راستہ تنگ ہوجائے اور دِقّت محسوس ہو، سخت بُری بات ہے۔

راستے کی حق کی ادائیگی کے لئے چھ باتوں کا اہتمام بے حد ضروری ہے وہ باتیں یہ ہیں :

۱۔ راستہ چلتے ہوئے نگاہیں نیچی رکھنا۔
۲۔ تکلیف دینے والی چیزوں کو راستے سے ہٹادینا مثلاً کانچ، نوکیلی چیز یا کانٹا وغیرہ ۳۔ سلام کا جواب پورے اہتمام سے دینا ۴۔ بھُولے بھٹکوں کو راستہ بتانا ۵۔ مصیبت زدہ لوگوں کی ہر طرح سے مدد کرنا ۶۔ نیکی کی تلقین پر پوری توجّہ رکھنا۔

مرد اور عورتیں ہٹ کر چلیں!

اسلامی معاشرہ پاکیزہ اور صاف سُتھرا نظام ہے جس میں احتیاطی تدابیر کو بے حد اہمیت حاصل ہیں۔ مردوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اجنبی عورتوں سے ذرا ہٹ کر چلیں اسی طرح عورتوں کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ راستے کا درمیانی حصّہ چھوڑ اجنبی مردوں سے دور رہ کر کنارے کنارے چلیں۔ آپؐ نے اس موقع کے لئے فرمایا :

گارے میں اٹے اور بدبو دار کیچڑ میں لتھڑے ہوئے سور سے ٹکرا جانا تو گوارا کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بات برداشت کے قابل نہیں کہ کسی مرد کے شانے اجنبی اور غیر محرم عورت سے ٹکرائیں۔"

راستے کی دُعا

آج کل کے تیز اور مشینی ٹریفک نے سڑکوں کو پُرخطر بنادیا ہے۔ سڑک اور راستے پار کرتے وقت انسان کو ہر وقت ہوشیار اور چوکس رہنا پڑتا ہے پھر قدم قدم پر دین و ایمان، اخلاق اور شرافت اور شرم و حیا کی متاع پر ڈاکہ ڈالنے والے رہزن موجود ہیں۔ ان حالات میں اللہ سے دعا اور پناہ ہی مانگی جاسکتی ہے۔ پیارے نبی کریمؐ نے اس موقع کے لئے بڑی جامع دعا کی تلقین فرمائی ہے۔ دعا کا اُردو ترجمہ بیان کیا جارہا ہے۔ اسے یاد کرلیجئے:

"خدا ہی کے نام سے میں نے باہر قدم رکھا اور اسی پر میرا بھروسہ ہے۔ خدایا! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ ہم لغزش کھا جائیں یا کوئی دوسرا ہمیں ڈگمگا دے۔ ہم خود بھٹک جائیں یا کوئی اور ہمیں بھٹکا دے۔ ہم خود کسی پر ظلم کر بیٹھیں یا کوئی دوسرا ہمارے ساتھ زیادتی کرے۔ ہم خود نادانی پر اُتر آئیں یا کوئی دوسرا ہم سے جہالت کا برتاؤ کرے۔"

آنکھ مچولی

آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں بہتر سے بہتر رسالہ ترتیب دیں اور بروقت آپ تک پہنچائیں۔
ہماری کاوش آپ تک اور
آپ کی رائے ہم تک پہنچانے میں

ہمارے مُعاون

ہمارے مَددگار

صُوبہ سندھ اور بلوچستان میں آنکھ مچولی کے ایجنٹ

محمد حسین برادرز — کراچی — ۷۷۲۴۱۲۶
مہران نیوز ایجنسی — حیدرآباد — ۲۰۱۲۸
سلمان برادرز — نوابشاہ — ۲۴۱۴
ایم ایم ٹریڈرز — کوئٹہ — ۷۵۰۰۲

خط وکتابت کے لیے
سرکولیشن مینجر
ماہنامہ آنکھ مچولی - ا - پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

دُنیا کی نایاب نسل

سفید شیر

ترجمہ: محمد شہزاد خان کستوری

جب کسی نسل کا کوئی آخری جانور مرجاتا ہے تو وہ معدوم نسل کہلاتی ہے۔ پھر یہ دوبارہ دنیا میں نہیں دیکھی جاسکتی۔ ڈینو سارز معدوم نسل کے جانور تھے اگر ہم معدوم نسل میں آنے کے خطرے سے جانوروں کی حفاظت نہ کریں گے تو ان میں بہت سے معدوم ہو جائیں گے۔ مثلاً سفید ٹائیگر، پانڈا، نیلی وھیل وغیرہ۔

یوں تو دنیا میں اورنج اور بلیک دھاریوں والے شیر ہی پائے جاتے ہیں اور اکثریت نے بلحاظ رنگ ان کی یہی قسم دیکھی ہوگی لیکن آج فروغ تعلیم کے ان صفحات پر ہم اورنج بلیک دھاریوں والے شیر کے ساتھ ساتھ آپ کی ملاقات سفید اور سیاہ دھاریوں والے شیر سے بھی کرارہے ہیں۔ ان کے بارے میں معلوماتی اور تصویری فیچر دیکھ کر ہمیں یقین ہے کہ آپ حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگیں گے۔

سفید شیر نسلاً ہندوستان سے تعلق رکھتا ہے اور انتہائی نایاب نسل میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ایک راجہ "مہاراجہ شری ماتانند سنگھ" کو جنگل سے شیر کا ایک سفید بچّہ ملا جس کی ماں کو شکاریوں نے مار ڈالا تھا۔ اس شیر کا نام اس نے "موہن" رکھا۔ جب یہ شیر جوان ہوگیا تو اس کی شادی ایک عام اورنج کلر کی مادہ شیرنی سے کردی گئی۔ اس شیرنی نے پہلے سال چار سفید بچوں کو اور پھر دوسرے تیسرے سال بھی چار چار عدد سفید سیاہ دھاریوں والے بچوں کو جنم دیا۔ مہاراجہ نے ۱۹۶۱ء میں "موہنی" نام کے ایک بچے کو امریکہ بھیجا جسے واشنگٹن ڈی سی کے چڑیا گھر میں رکھا گیا۔ اِس شیر سے سفید شیروں کی نسل پھلی پھولی۔ امریکہ میں سب سے زیادہ سفید شیر "اوہیو" کے سنسناتی (Cincinnati) کے چڑیا گھر میں ہیں جن کی تعداد دس ہے۔

ماہرینِ حیوانیات کی تحقیقات کے مطابق سفید شیر کبھی بھی نارمل نہیں ہوتے ان میں کوئی نہ کوئی ذہنی یا جسمانی نقص ہوتا ہے تاہم خوبصورتی اور صناعی میں یہ قدرت کے شاہکار ہیں۔ سفید شیر دنیا کے ۸۰ کے قریب مختلف ممالک کے چڑیا گھروں اور سرکسوں میں موجود ہیں۔ واشنگٹن ڈی سی، لاس اینجلس، سان فرانسسکو، ٹورنٹو اور ہوسٹن کے چڑیا گھر میں سب سے زیادہ سفید شیر ہیں۔

شیر جنگل کا بادشاہ ہے۔ خوب صورتی، وفا اور رعب اس کے چہرے سے ٹپکتا ہے۔ دلیری اور ذہانت جنگل کے دوسرے جانوروں کی نسبت شیر میں زیادہ ہے۔ اس تصویر میں آپ سفید شیر کے اس جوڑے کو دیکھ سکتے ہیں جو ہری بھری گھاس پر ایک جھاڑی کے قریب نمایاں ہے۔

زرد شیر اور سفید شیرنی سے یہ بچے حاصل کیے گئے جو اس وقت واشنگٹن ڈی سی کے چڑیا گھر کی زینت ہیں۔ بلی کی طرح کے بھوری بھوری آنکھوں والے سفید شیر کے بچے کتنے پیارے لگ رہے ہیں...... آپ کو کیسے لگے؟

جنگل کی دُنیا

ترجمہ: فضل حق

جنگل کا بے تاج بادشاہ

ہر شیر کے چہرے پر دھاریوں کا ڈیزائن جُدا جُدا پایا جاتا ہے۔ دنیا میں اب شیر بہت ہی کم تعداد میں ہیں۔ کیونکہ خوبصورت دھاری دار کھال کی خاطر ان کا بے دردی سے شکار کیا گیا۔

ٹائیگر شیر جسامت میں سب سے بڑا ہوتا ہے، یہاں تک کہ ببر شیر سے بھی بڑا۔ اکثر جنوبی ایشیا کے گرم جنگلوں اور سرسبز میدانوں میں پایا جاتا ہے۔

کچھ ٹائیگر سرد علاقے میں بھی پائے جاتے ہیں انہیں گرم رکھنے کے لئے قدرت نے دبیز بالوں کی کھال عطا کی ہے تاکہ برفانی پہاڑوں پر زندہ رہ سکیں۔ یہ جنگل کے بے تاج بادشاہ ہیں۔

پیدائش کے وقت ٹائیگر بچّے اندھے ہوتے ہیں!

مادہ ٹائیگر ایک غار کے اندر جھول میں تین یا چار بچّے دیتی ہے۔ دشمنوں سے دور درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان یہ غار قطعی محفوظ ہوتا ہے لیکن گیدڑ وغیرہ بچّوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ پیدا ہونے کے بعد بچّے اندھے اور لاچار ہوتے ہیں زیادہ وقت سو کر یا ماں کا دودھ چوس کر گزارتے ہیں۔ پھر ایک دو ہفتے کے بعد بچّے اپنی آنکھیں کھولتے ہیں اور اپنی دُنیا کی تلاش شروع کرتے ہیں۔ ان کی نشوونما تیزی سے ہوتی ہے۔ چھ ہفتہ کی عمر میں وہ ماں کے ہاتھوں کا شکار کئے ہوئے جانور کا گوشت کھانا شروع کردیتے ہیں۔

شکار کی تربیت!

باپ بچوں کی نگہداشت و پرورش میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا۔ وہ ماں کو شکار کے کاموں کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ رات کو ماں کی شکاری مُہمات میں بچّے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ وہ جب کوئی ہرنی یا جنگلی سور کو دبوچ لیتی ہے تو بچّے خاموشی سے اور چُھپ کر دیکھتے ہیں۔ ٹائیگر جن جانوروں کا شکار کرتے ہیں ان سے زیادہ تر تو تیز نہیں دوڑتے لیکن بڑی خاموشی سے بغیر آواز پیدا کئے شکار کے جانوروں پر جھپٹتے اور ان کو دبوچ لینے کا فن جانتے ہیں۔ بچپن سے جو کھیل انہیں سکھائے جاتے ہیں ان میں گھات لگانے اور اپنے شکار پر جھپٹنا قابلِ ذکر ہے۔

ٹائیگر تیرتے کیوں ہیں؟

پالتو بلیوں کے برعکس ٹائیگر دریاؤں میں جسم ٹھنڈا رکھنے کے لئے تیرتے ہیں۔ یہ بہت اچھے تیراک ہوتے ہیں۔

بعض اوقات مچھلیاں اور کچھوے پکڑ لیتے ہیں اور بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔

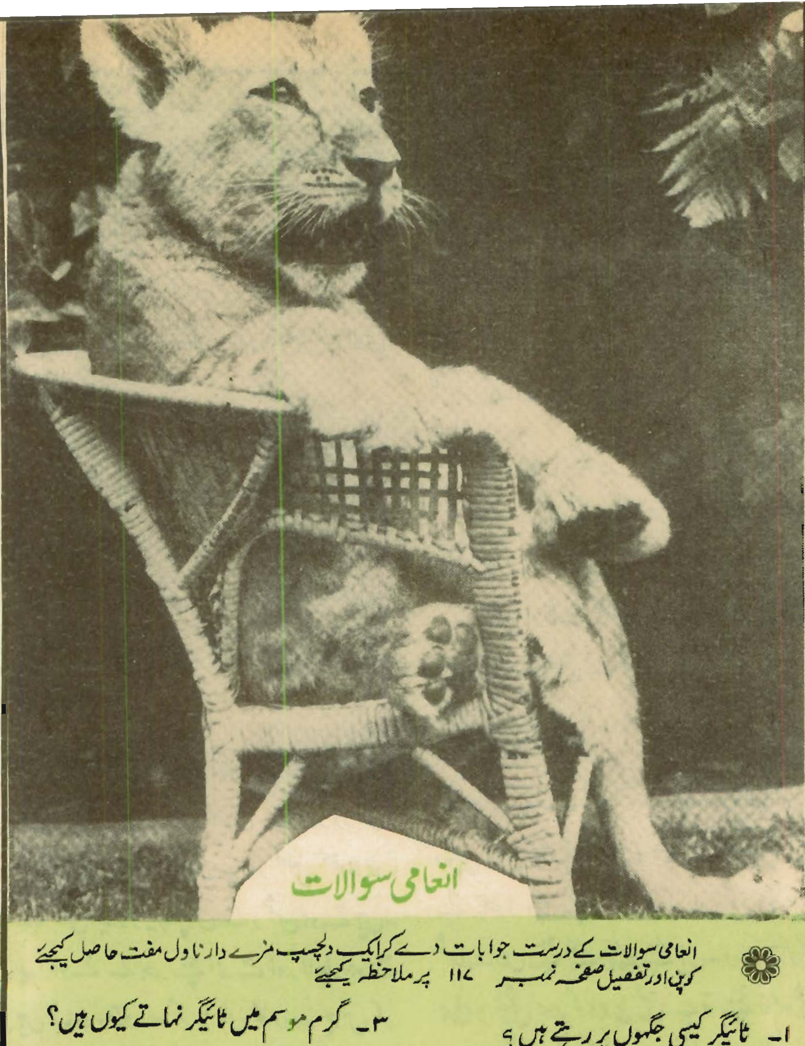

انعامی سوالات

انعامی سوالات کے درست جوابات دے کر ایک دلچسپ مزے دار ناول مفت حاصل کیجئے
کوپن اور تفصیل صفحہ نمبر ۱۱۷ پر ملاحظہ کیجئے

۱۔ ٹائیگر کیسی جگہوں پر رہتے ہیں؟
۲۔ ٹائیگر کیا کھاتے ہیں؟
۳۔ گرم موسم میں ٹائیگر نہاتے کیوں ہیں؟
۴۔ ٹائیگر بچے کہاں پیدا ہوتے ہیں؟

ضیافت!

مادہ ٹائیگر بغیر چبائے گوشت کے بڑے ٹکڑے نگل لیتی ہے ماں اور بچے شکار کے گوشت میں سے جتنا زیادہ سے زیادہ کھاسکتے ہیں کھاتے ہیں کیونکہ ماں بہت دنوں تک وہ شکار نہیں کرتی مادہ ٹائیگر بچوں کو صاف رکھنے کے لئے زبان سے چاٹتی ہے۔

مادہ ٹائیگر اور بچّے دن کو سوتے نہیں وہ سایہ دار پوشیدہ جگہ تلاش کر کے وہاں آرام کرتے ہیں۔ اکثر ٹائیگر دن کو سوتے اور رات کو شکار کرتے ہیں۔

جب بچّے ایک سال کی عمر کو پہنچتے ہیں تو ماں ان کے ساتھ کم وقت گزارتی ہے تاکہ وہ اس کے سہارے کے بغیر زندہ رہنے کے گُر سیکھیں۔

دو سال کے ہوتے ہوتے وہ بچّے منجھے ہوئے شکاری بن جاتے ہیں وہ گھر بار چھوڑ کر اپنی نئی دنیا بسانے کی خاطر جنگل جنگل چراہ گاہ اور پہاڑوں کا رخ کرتے ہیں۔ یہ جہاں ڈیرہ لگالیں تو وہ ان کا علاقہ ہوجاتا ہے۔

بے تاج بادشاہ

بالغ ٹائیگر خاندان کے ساتھ اکٹھے نہیں رہتے سال کا زیادہ عرصہ نر اور مادہ ٹائیگر علیٰحدہ علیٰحدہ زندگی گزارتے ہیں۔ ٹائیگر اپنی بُو سے اپنا علاقہ متعیّن کرتا ہے۔ یہ اپنا فضلا اور پنجے کے نشانات زمین اور درختوں پر اپنے علاقے کے گرد جمادیتا ہے اور اپنے علاقے میں چہل قدمی کرتے ہوئے اکثر گرجدار آواز میں دھاڑتا ہے اس کی آواز تین کلو میٹر تک سُنی جاسکتی ہے۔

اس کے نشانات اور دھاڑ دوسرے ٹائیگروں کو احساس دلاتی ہے کہ وہ علاقہ ایک دوسرے ٹائیگر کا ہے تاکہ وہ فاصلے پر رہیں۔

شیر کے دانت!

ان کے دانت لمبے اور نوکیلے ہوتے ہیں جو شکار کو مارنے اور کاٹنے کے کام آتے ہیں سب دانت تیز ہوتے ہیں پھر بھی ایک جانور ختم کرنے میں چند روز لگ جاتے ہیں۔

ان کی کھال دھاری دار کیوں ہوتی ہے؟

سورج کی روشنی سے درختوں اور جھاڑیوں میں بنی ہوئی دھاریاں ٹائیگر کے کھال کی دھاریوں کے مشابہ ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کا نظر آنا مشکل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ دشمن سے محفوظ رہتے ہیں۔

شیر سلامت رہیں!

اپنی خوبصورت دھاری دار کھال کے باعث یہ شکاریوں کے لالچ کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ان کی خوبصورت کھال سے غالیچے، کوٹ اور تھیلے بنائے جاتے ہیں۔ بھارت میں اتنی بڑی تعداد میں ٹائیگر مارے گئے ہیں کہ یہ نسل معدوم ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ اس صورت حال سے بچنے کے لئے ان کے شکار پر پابندی لگادی گئی ہے اور پرورش کے لئے مخصوص جگہیں بنادی گئی ہیں جہاں ٹائیگر بحفاظت رہ سکیں۔

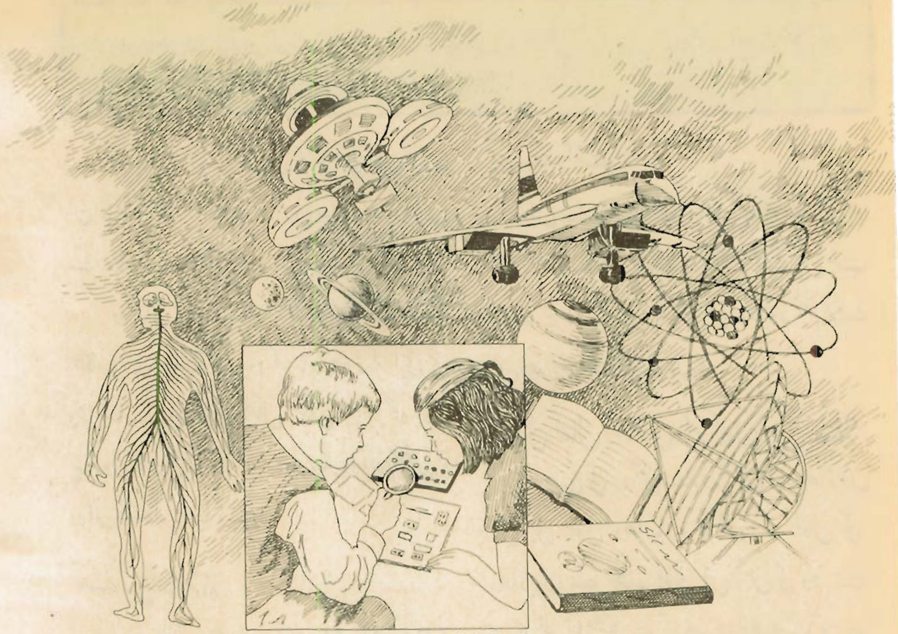

بچوں کے ادب میں سائنسی کہانی کی ضرورت و اہمیت

محمد اسلام نشتر

دنیا میں کسی بھی زبان کا ادب اس کی مادی، روحانی، اخلاقی اور معاشرتی ترقی کا آئینہ دار ہوتا ہے، خصوصاً" بچوں کے لئے لکھے گئے ادب کو اس ضمن میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ دراصل بچوں کا ادب بڑوں کے ادب سے کچھ مختلف ہوتا ہے کیوں کہ ادب الاطفال میں تربیت اور آسان زبان کا پہلو زیادہ نمایاں رکھا جاتا ہے۔

سائنسی کہانی کیا ہے؟ ماہرین کے نزدیک یہ کہانی کی وہ قسم ہے جس کا موضوع سائنسی اور معاشرے کی تبدیلیاں ہوتا ہے۔ اگر ایسی کہانی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے عام فہم زبان میں لکھی گئی ہو تو اسے بچوں کی سائنسی کہانی کہا جائے گا۔

سائنسی کہانیوں کی تخلیق میں انسانوں کی وہ فطرت پوشیدہ ہے جو وہ کائنات کی ہر چیز کو تسخیر

کرنے کے لئے لے کر پیدا ہوا ہے۔ ترقی کے لئے انجام دیئے جانے والے ہر کام کا پہلے ایک خیال انسان کے ذہن میں آتا ہے۔ پھر واہمہ اس کے بعد کہانی اور بعد ازاں منصوبہ بندی جنم لیتی ہے۔ فی زمانہ ہر طرف سائنس و ٹیکنالوجی کا نعرہ اس کے کانوں میں ہر دم گونجتا رہتا ہے۔ تو ایسے میں معاشرے کے حساس طبقے یعنی ادیبوں کے ذہنوں میں موجود نظام کی بہتری کے لئے نئے سائنسی خیالات کا آنا فطری بات ہے۔ تاریخ سائنس گواہ ہے کہ چند ایک اتفاقیہ ایجادات اور دریافتوں کے سوا اکثر سائنسی حقائق جاننے میں سائنسی کہانیوں نے سائنس دانوں کی ہر دور میں رہنمائی کی۔

سائنسی کہانیاں سائنسی حقائق کی نقیب کا دلچسپ موضوع سائنسی ادب کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مشہور سائنس فکشن ادیب آرتھر سی کلارک نے زمین سے تیس ہزار کلومیٹر بلندی پر قائم مصنوعی مواصلاتی سیارے کا تصور پیش کیا جس سے ٹیلی مواصلات کا سلسلہ قائم ہو سکتا تھا۔ آج یہ ترقی یافتہ نظام میں بین البراعظمی رابطے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ تین صدیاں قبل برجیراک نے اپنی دو کتابوں میں سیاروں کے مابین پروازوں کے لئے کثیر مرحلہ راکٹوں کا تصوّر دیا تھا۔ ژول ورن نے تو اپنے قمری جہاز کے ناول میں ایسے ملٹی اسٹیج راکٹ لگائے بھی۔ برجیراک کے مفروضے میں بے وزنی کی کیفیت اور پیراشوٹ کے استعمال تک کا ذکر تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ انسانی جسم چھوٹے چھوٹے خانوں سے مل کر بنا ہوا ہے جسے آج ہم خلیات کہتے ہیں۔ خون میں خردبینی جان داروں (Microbes) کی موجودگی، دفاعی مزاحمت کے لئے چند جسیموں (اینٹی باڈیز) کا ذکر بھی اس نے کیا۔ اس نے روشن غباروں یعنی بجلی کے بلبوں کے ڈیزائن کے علاوہ کئی اور ایسے ہی تصوّرات پیش کئے۔ الیگزنڈر کازنت سیف نے کئی سال قبل توانائی کے ذخیرے کے لئے بالا ایصالیت (Super Conductivity) زیر آب تیرتی سرنگ جیسے تصوّرات پیش کئے جو اب حقیقت بن چکے ہیں۔ کارل ساپیک نے پہلی بار "روبوٹ" کا لفظ استعمال کیا جو اب حقیقت بن چکا ہے۔ لیونارڈو ڈاونچی نے ہوائی جہاز کی ایجاد سے چار سو سال قبل ایک اُڑن مشین کا نمونہ پیش کیا تھا۔ مستقبل کی خلائی بستیاں کئی نسلوں تک خلا میں سفر کر سکنے والے اسٹارٹ شپ مفروضے کا عملی اظہار ہوں گی۔ اسکائی لیب اور خلائی شٹل دراصل ابتدائی خلائی بستیاں ہی تو ہیں۔ ۱۹۴۴ء میں کلیو کارٹ مل نے اپنی سائنسی کہانی (Deadline) میں ایٹم بم کا ایسا تکنیکی نقشہ

کھینچا کہ امریکی ادارہ سراغ رسانی نے رسالے کے مدیر اور مصنف سے پوچھ گچھ شروع کردی کہ آیا انہیں مین ہٹن ایٹمی پراجیکٹ سے تو کوئی معلومات نہیں مل گئیں۔ بہرحال ایسا نہیں تھا لیکن مصنف کا خیال حقیقت کی ہوبہو تصویر تھا۔ کمپیوٹر کے عالمی رابطے اور کمپیوٹر وائرس ایسی کئی سائنسی پیشن گوئیاں جان برونر بیس سال پہلے ہی اپنے سائنسی ناولوں میں پیش کرچکے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کے لئے سائنسی کہانیاں کیوں لکھی جائیں یا نئی نسل کے لئے سائنسی کہانیاں ہی اتنی کیوں ضروری ہیں؟ ان سوالوں کے جواب کے دو پہلو ہیں۔ اول' ہمیں تاریخ انسانی' تاریخ' سائنس' بچوں کی نفسیات' اپنی اخلاقی اقدار اپنے جغرافیائی محل و قوع اور سردست سائنس میں اپنی پس ماندگی کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ دوم' یہی وہ نفسیاتی راز ہے جس سے آگاہی بے حد ضروری ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ جب ہم بچے تھے تو ہر روز نانی' دادی یا کسی بڑے بزرگ سے شام کو سونے سے پہلے کہانی سنا کرتے تھے۔ بزرگ ہمیں بادشاہوں کے انصاف یا ظلم' شہزادوں کی ہمت' بہادری' شہزادیوں کی رحم دلی' جنوں کے ظلم اور پریوں کی ہمدردی قسم کی کہانیاں سُنایا کرتے تھے۔ ہم انہیں سُن کر اچھے جذبوں کو پسند اور بُرے جذبوں سے نفرت کرنے لگتے تھے۔

گویا پہلے بزرگ بچوں میں بُرے جذبوں کے خلاف ان کے اندر کہانیوں کی ویکسین کے ذریعے اینٹی باڈیز بچپن میں ہی پیدا کردیتے تھے۔ وقت گزرا اور تقاضے بدلے۔ عام سماجی کہانیوں کی جگہ سائنسی ترقی نے لے لی۔ ہمارا معاشرہ بھی صبح و شام تیز رفتار سائنسی ترقی کی طرف بڑھنے لگا ہے۔

اکیسویں صدی کے آغاز کے لئے ہمیں جس سائنس و ٹیکنالوجی کی ضرورت ہوگی وہ ابھی ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہے۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ ایسے میں یقیناً" ضرورت ہوگی کہ ہم ابھی سے اپنے بچوں کی سوچ سائنسی نہج پر پروان چڑھانے کی فکر کریں۔ ہمیں انہیں صرف تاریخ سائنس کے واقعات' معلوماتی سائنسی کہانیاں' نئے خیالات اُجاگر کرنے والی سائنسی کہانیاں اور محض مفروضات و قیاسات پر لکھی گئی سائنسی کہانیاں دینے کی بالخصوص ضرورت ہے۔ آپ چونک گئے ہوں گے کہ میں نے تاریخ سائنس کے دلچسپ واقعات کو بھی سائنسی کہانیاں میں شامل کردیا۔ جی ہاں ...... تاریخ سائنس کے یہ حیرت انگیز واقعات اور حقائق بڑوں اور خاص طور پر بچوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں ان سے انہیں اپنے ماضی کو جاننے کا موقع ملتا ہے۔ ویسے بھی خلائی مہمات' سمندروں کے اندر

اترنے' خلیے کی سرگرمیوں سے آگاہی' وادی ایٹم کا راز جاننے اور زمین کے پوشیدہ خزانوں کی باتیں انسان کو حیرت زدہ کر کے جہاں حقیقی کہانی کا مزہ دیتی ہیں۔ وہیں اس کے خالق کی عقل و قدرت پر بھی حیران کردیتی ہیں۔

ہماری سائنسی کہانیوں کا معیار کیا ہے؟

ہمارے ہاں کی سائنسی کہانیوں میں زیادہ تر کہانیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں کوئی نہ کوئی ایجاد اختراع کی جاتی اور اس کے کارنامے دکھائے جاتے ہیں۔ ان کہانیوں میں مسلّمہ سائنسی قوانین اور اصولوں کو قطعاً ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا ہو تو اس کا تذکرہ کہانی میں نہیں کیا جاتا۔ اگر ہر نئی ممکنہ ایجاد کے ساتھ سائنسی منطق' تکنیکی طریقہ اور سائنسی قوانین کی وضاحت کردی جائے تو قاری (خاص طور پر بچوں) کو سائنس سے دلچسپی پیدا ہوگی۔ قاری محسوس کرے گا کہ مصنف نے واقعی ایک ممکنہ سچائی بیان کی ہے۔

آپ سُن کر حیران ہوں گے کہ ترقی یافتہ ممالک میں تو سائنس فکشن پر باقاعدہ رسائل ۱۹۲۶ء سے شائع ہورہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہزار ہا سائنسی ناول' سائنسی فلمیں اور سائنسی کارٹون تک بنے ہیں۔ وہاں ہزاروں ادیب صرف اور صرف سائنسی کہانیاں لکھنے کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں..... ژول ورن' کارل ساکان' آئزک ایمزیموف' ایچ جی ویلز' رے بریڈ برے' فریڈرک براؤن' جان برونر' آرتھر سی کلارک' ہیرے ہیریسن' رابرٹ سلور برگ' آئن واٹسن' راجر زیلزینی' میری شیلے' ایمبروس بیئرس' مارک ٹوئن' تھیوڈر سٹرجن' رابرٹ مین لین' ایرک فرینک رسل' مائیکل مورکارک اور جیمز بلیش رسید کے طور پیش ہیں۔

مغرب کے مقابلے میں ہمارے ہاں سائنسی کہانیوں کو ادب میں شمار ہی نہیں کیا جاتا۔ ہمارے ہاں سائنسی کہانیاں لکھنے والے تو شاید اُنگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں اور وہ بھی سب کے سب غیر معروف اور گمنام۔ اگر ایک آدھ کوئی ناموری پاگیا تو وہ باقاعدہ سائنسی کہانیاں لکھنے والا نہیں ہوگا جیسے ابن صفی اور اشتیاق احمد۔ یہاں سائنسی کہانیاں لکھنے والے اپنے کسی خیال کو کہانی کا جامہ پہنادیتے ہیں یا اپنے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ کام کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مغربی معاشرے میں سائنس فکشن کے بارے میں ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا' سائنس کی تاریخ اور سائنس اور سائنس فکشن کے حوالے سے کئی کتب شائع ہوچکی ہیں۔ ۱۹۷۵ء کے اندازے کے مطابق انگریزی ادب میں کم و بیش پانچ سو ادیب سائنسی کہانیاں لکھنے والے تھے۔ انگریزی ادب میں ہر

سال بہترین سائنس فکشن لکھنے پر "ہیوگوایوارڈ" دیا جاتا ہے۔

انگریزی ادب میں طبع زاد سائنسی کہانیاں بہت زیادہ ہیں اور ہر کہانی کا خیال اچھوتا اور فکر انگیز ہوتا ہے۔ کہانی پڑھ کر قاری میں آگے بڑھنے اور زندگی میں کوئی بڑا کارنامہ کر گزرنے کی تمنا تڑپنے لگتی ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ طلبا کے لئے سائنسی کہانیاں کیوں کر مفید ہو سکتی ہیں۔ مغربی تعلیمی فلسفے کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ان کے ہاں سائنسی کہانیاں طلبا کے لئے لازمی قرار دی جاتی ہیں۔

ماہرین تعلیم طلبہ کو سائنس کا شوق ہی نہیں دلاسکتے بلکہ تلاش حقیقت میں سائنس اور سائنسی کہانیوں کی مشترکہ کوششوں کی حوصلہ افزائی بھی کرسکتے ہیں۔ بنگلہ دیش کے امیت گو سوامی کے بقول : "اکیسویں صدی کے حقائق سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمیں سائنس اور فنون دونوں کی ضرورت ہو گی۔"

افسوس ...... اپنے ہاں بچوں کی مذکورہ بالا تخلیقی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لئے سائنسی کہانیوں کے نصاب کی ترتیب میں سے ایک اہم مسئلہ زبان کا ہے۔ ہم ابھی قومی زبان کے مقابلے پر ایک بدیسی زبان کو جاو بے جا قائم و دائم رکھ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی پیتے وقت تین بار سانس لیا کرو اور سانس برتن کے اندر نہیں بلکہ باہر لیا کرو نیز مشروب میں پھُونک مارنے سے بھی منع فرمایا ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کے سانس کے ذریعے سے جو ہوا خارج ہوتی ہے، وہ مضرِ صحت ہے لہٰذا زہریلے اور گندے جراثیم سے بچاؤ کے خیال ہی سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ پانی تین سانسوں سے پیا جائے اور تینوں مرتبہ پانی کے برتن کو منہ سے الگ کر کے سانس لیا جائے اس طرح یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ گرم کھانے کو منہ سے پھُونک مار کر ٹھنڈا نہ کیا جائے۔(جواہر حدیث)

اپنی قوم کا گلا ہی گھونٹ رہے ہیں۔ یہاں تو سائنسی کہانی نویس سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ کہانی میں کرداروں کے منہ میں اُردو کے الفاظ ڈالوں تو وہ رائج نہیں ہیں اور انگریزی زدہ کرتا ہوں تو نئی نسل کی تخلیقی صلاحیتوں کا خون ہوتا ہے۔ اس بات کو سرسری نہ لیجئے گا بلکہ ہمارے ہاں علم و ادب کی ترویج میں یہ ایک زندہ رکاوٹ ہے۔

آج ہم اپنے بچوں کو سائنسی تعلیم اور سائنسی مشاغل کی طرف راغب کریں تو یقیناً" کل سلیم الزماں صدیقی، ڈاکٹر عبدالسلام، اور ڈاکٹر عبدالقدیر کی جگہ یہی لوگ لیں گے!!

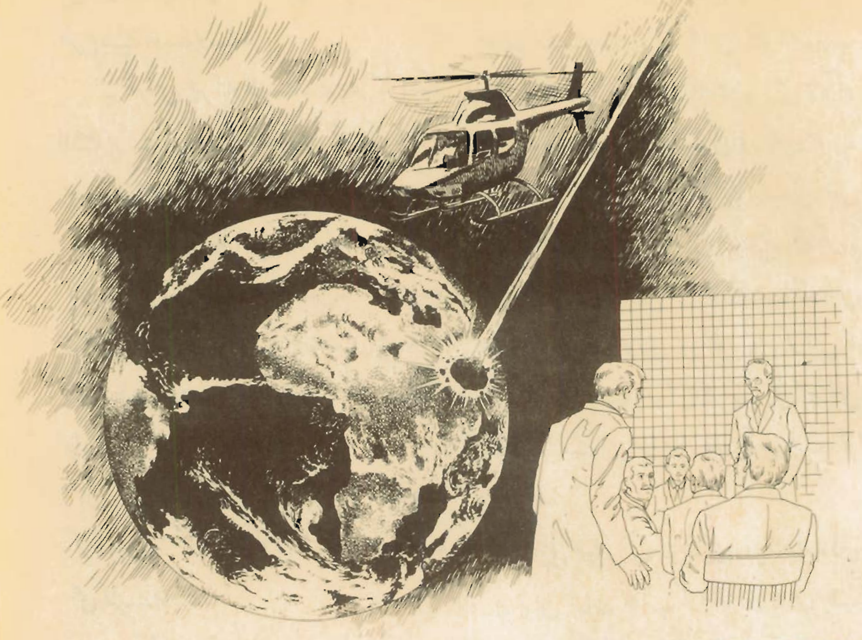

زندہ زمین

محمد عادل منہاج

آخری حصّہ

ایک بھیانک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور زمین کے دونوں سرے آپس میں مل گئے۔

"اف میرے خدا۔ یہ زلزلہ نہیں تھا بلکہ وہ زمینی زندگی یہاں تک پہنچ گئی ہے۔" لمبے قد والا حلق پھاڑ کر چلایا اور سب پاگلوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے!!

بادلوں کے گرجنے کی سی آواز گونجی اور ریسٹ ہاؤس کے ملبے سے اینٹیں اور پتھر اڑ اڑ کر ان لوگوں پر برسنے لگے پتھروں کی بارش سی ہونے لگی۔ بہت سے لوگ شدید زخمی ہوگئے۔ کچھ گر کر تڑپنے لگے مگر اس وقت کسی کو کسی کی پروانہ تھی۔ سب اندھا دھند بھاگے جارہے تھے۔ نہ جانے کتنی دیر تک بھاگتے رہے آخر بے دم ہو کر گر پڑے۔

"شش.... شاید ہم محفوظ جگہ تک پہنچ چکے

ہیں۔ یہاں کی زمین زندہ نہیں۔" پروفیسر بری طرح ہانپتے ہوئے بولے۔

یہ شہر اس غیر آباد علاقے سے چند میل کے فاصلے پر ہے اور وہ ریسٹ ہاؤس شہر کے بالکل سرے پر ہے اس کا مطلب ہے کہ زندگی شہر کے کنارے تک پہنچ چکی ہے اور ایک دو دن میں پورے شہر کی زمین زندہ ہوجائے گی۔ اف میرے خدا اس شہر کے لوگ تو سخت خطرے میں ہیں۔

"میرا خیال ہے۔ شہر کو فوراً خالی کروالینا چاہئے۔"

"ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں میں ابھی حکام سے بات کرتا ہوں۔" کمشنر اٹھ کھڑا ہوا۔ باقی سب لوگ بھی کھڑے ہوگئے۔

☆ --- ☆ --- ☆

کل تک جو شہر لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ وہ آج سنسان نظر آرہا تھا کل سارا دن بار بار ریڈیو اور ٹی وی پر اعلان کیا گیا کہ اس شہر کے لوگ فوراً شہر خالی کردیں اور اس علاقے سے دور کسی محفوظ مقام پر چلے جائیں۔ ریسٹ ہاؤس میں پیش آنے والے واقعے کی تفصیل سن کر سب لوگ خوف زدہ ہوگئے اور اپنے گھر بار کھلے چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ہر کوئی خوفزدہ تھا کہ کہیں زمین اسے بھی نہ نگل لے یا اس کا گھر بھی توڑ پھوڑ نہ ڈالے۔

پورے ملک میں شور مچ چکا تھا۔ لوگ مطالبہ کررہے تھے کہ فوراً اس فتنے کا سدباب کیا جائے ورنہ تو آہستہ آہستہ یہ زمینی زندگی پورے ملک میں پھیل جائے گی اور پھر دوسرے ملک بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ کئی ملکوں کے سائنسدان پہلے ہی یہاں پہنچ چکے تھے مگر وہ اس وقت تک کچھ نہیں کرسکتے تھے جب تک اس زندہ زمین سے تھوڑی سی مٹی نکال کر اس کا تجزیہ نہ کرلیا جائے اور آج پھر ایک ہیلی کاپٹر اسی مقصد کے لئے اس پراسرار علاقے کی طرف محو پرواز تھا۔

"ہیلی کاپٹر روک لیں۔ یہی وہ پراسرار زمین ہے جہاں شہاب ثاقب گرا تھا اور جہاں سب سے پہلے زندگی نمودار ہوئی۔" لمبے قد والا بولا۔ ہیلی کاپٹر فضا میں رک گیا۔

"ہوں ٹھیک ہے تو پھر سب تیار ہوجائیں۔" پائلٹ بولا۔ فوجیوں نے شیشے کے سلنڈر ہاتھوں میں لے لئے اور چہروں پر ہیلمٹ چڑھالئے۔

"ایک دو تین۔" پائلٹ بولا اور اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر نے ایک جھٹکے سے نیچے کی طرف غوطہ لگایا۔ ہیلی کاپٹر سے کئی طاقتور بم تیر کی طرح نکلے اور زمین پر جاگرے۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور جس جگہ بم پھٹے وہاں سے گرد کا ایک بگولہ سا

اٹھا اور سانپ کی چھتری نما گرد و غبار کا یہ بگولہ بلند ہونے لگا۔ ہیلی کاپٹر کمان سے نکلے تیر کی طرح اس بگولے میں جاگھسا۔ فوجیوں نے سلنڈر کھڑکیوں سے باہر نکالے اور مٹی، دھول اور گرد دھڑا دھڑ سلنڈروں میں گھسنے لگی۔ پورا ہیلی کاپٹر بھی گرد آلود ہو گیا بس چند سیکنڈ میں سب کچھ ہو گیا اور ہیلی کاپٹر دوبارہ تیزی سے فضا میں بلند ہو تا گیا۔ اسی وقت گڑگڑاہٹ کی زور دار آواز گونجی اور پہاڑی پھر لرزنے لگی۔ پھر پہاڑی ایک دھماکے سے پھٹی۔ چھوٹے بڑے بے شمار پتھر اچھلے مگر ہیلی کاپٹر اب بہت اونچائی پر پہنچ چکا تھا اور تیزی سے اس علاقے سے دور ہو تا جا رہا تھا۔ اس لئے کوئی بھی پتھر اسے نہ لگ سکا۔ وہ اپنا مشن پورا کر کے صاف بچ نکلا تھا۔

پھر گویا اس علاقے میں زلزلہ سا آگیا۔ زمین اوپر نیچے ہونے لگی۔ اس علاقے سے ملحقہ شہر بری طرح لرزنے لگا۔ شہر کی ساری عمارتیں کانپ رہی تھیں۔ جیسے انہیں جاڑے کے بخار نے آلیا ہو اور پھر عمارتیں دھڑا دھڑ گرنے لگیں۔ شہر ملبے کا ڈھیر بنتا چلا گیا۔ زمین غصے میں عمارتوں کے گرنے والے ملبے کو اچھال رہی تھی۔ اینٹیں، پتھر، کھڑکیاں، دروازے اچھل اچھل کر اوپر جاتے اور پھر بارش کی صورت میں واپس نیچے آگرتے۔ انسان کی کامیابی پر زمین کو بے حد غصہ آگیا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ لوگ شہر خالی کر کے پہلے ہی جا چکے تھے

☆ --- ☆ --- ☆

پراسرار زمین سے بہت دور ایک شہر میں ایک اہم میٹنگ ہو رہی تھی۔ میٹنگ میں ملک کے اعلیٰ عہدیدار، سائنس دان، ڈاکٹر اور دوسرے لوگ شریک تھے۔ اس علاقے سے حاصل کی جانے والی مٹی کا تجزیہ ملک اور دنیا بھر سے آئے ہوئے بہترین ڈاکٹروں نے کیا تھا اور اب ڈاکٹر رفیع اس کی تفصیل بتا رہے تھے۔

"جیسا کہ آپ لوگوں کو پتہ ہے کہ کاربن کے ایٹموں کا ایک خاص ترتیب میں جڑ جانا زندگی کا باعث ہوتا ہے۔ کاربن کے ایٹموں کے مختلف انداز میں جڑنے سے مختلف قسم کی زندگی نمودار ہوتی ہے مثلاً انسان کے خلیے میں کاربن کے ایٹموں کی ترتیب مختلف ہے اور درخت یا پودے کے خلیے میں یہ ترتیب دوسری طرح ہوتی ہے۔ اس بار جب شہاب ثاقب زمین سے ٹکرایا تو زمین میں کیمیائی تبدیلیاں آگئیں اور اس علاقے کی زمین میں کاربن کے ایٹم ایک بالکل نئی ترتیب میں آگئے اور یوں زمین میں ایک نئی قسم کی زندگی نمودار ہو گئی۔ یہ زندگی اور پودوں کی زندگی سے مختلف ہے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ زمین زندہ ہو چکی ہے۔"

"اوہ! اور یہ زمینی زندگی پھیلتی بھی تو جا رہی ہے۔" پروفیسر ادریس بولے۔

"اوہ یہ تو بہت خطرناک بات ہے کیا کسی طرح اس زندگی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔" ایک عہدیدار نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہو سکتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے انسانی زندگی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر رفیع بولے۔

"یعنی....؟" ایک غیر ملکی نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"اگر انسان کو زہر دیا جائے تو وہ مر جاتا ہے۔ اسی طرح زمین کو بھی زہر دینا ہوگا ایسا زہر جو کاربن کے ایٹموں کی ترتیب توڑ دے اور زمین مر جائے۔ ہم ایک ایسا زہر تیار کریں گے جو اس زندگی کا خاتمہ کر دے۔" ڈاکٹر رفیع نے کہا۔

"لیکن اس زمین کو زہر کس طرح دیا جائے گا؟" کسی نے سوال کیا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ ہیلی کاپٹر کے ذریعے اس پورے علاقے پر زہر کا چھڑکاؤ کر دیا جائے گا۔"

☆ --- ☆ --- ☆

ٹھیک تین دن بعد ایک ہیلی کاپٹر اس زندہ زمین کے علاقے پر پرواز کر رہا تھا۔ ان تین دنوں میں ڈاکٹرز ایسا زہر تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جو اس زمینی زندگی کا خاتمہ کر سکے۔ ملبے کا ڈھیر بنے ہوئے شہر پر سے ہوتا ہوا وہ میدانی علاقے پر پہنچ گیا پھر وہ ذرا نیچے ہوا اور اس نے زمین پر چھڑکاؤ کرنا شروع کر دیا۔ ہیلی کاپٹر کے نچلے حصے سے ایک پھوار کی صورت میں زہر زمین پر برس رہا تھا۔ پھر اچانک ہیلی کاپٹر مزید نیچے ہو گیا۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھا فضائیہ کا ایک پائلٹ گھبرا گیا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کو اوپر اٹھانا چاہا مگر وہ ناکام رہا۔ اس نے پریشان ہو کر کنٹرول ٹاور سے رابطہ کیا۔

"ہیلو سر ہیلی کاپٹر میرے کنٹرول میں نہیں رہا۔ یہ زمین کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔"

"ہیلی کاپٹر اوپر اٹھانے کی کوشش کرو۔ شاباش..... ہمت کرو.... گھبراؤ مت....." دوسری طرف سے چلا کر کہا گیا۔

"نن.... نہیں..... یہ مسلسل نیچے جا رہا ہے۔" پائلٹ چلایا۔ اس نے اپنی پوری قوت صرف کر دی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی جناتی قوت ہیلی کاپٹر کو نیچے کھینچ رہی ہے اور پھر ہیلی کاپٹر تیر کی طرح نیچے گرا اور ایک دھماکے سے زمین پر جا گرا۔ اس نے فوراً آگ پکڑ لی اور بری طرح جلنے لگا۔ پائلٹ نے اس سے پہلے ہی چھلانگ لگا دی تھی۔ اچانک اسے بادلوں کے گرجنے کی آواز آئی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے موجود ٹوٹی پھوٹی پہاڑی کانپ رہی تھی پھر زلزلہ سا آ گیا اور پہاڑی سے کئی پتھر اچھلے اور پائلٹ کی طرف آئے۔ پائلٹ خوفزدہ انداز میں

دوڑا۔ اسی وقت ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ زمین پھٹ گئی اور پائلٹ دوڑتا ہوا دراڑ میں جاگرا دراڑ فوراً ہی بند ہو گئی۔ زمین اپنے تیسرے شکار کو ہڑپ کر چکی تھی۔

☆ --- ☆ --- ☆

"یہ.....یہ سب کیا ہوا؟.......کیسے ہوا؟" فضائیہ کے سربراہ حیرت سے پوچھ رہے تھے۔

"میں خود حیران ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس علاقے کی زمین کی کشش ثقل کی قوت بہت بڑھ گئی ہے اور زمین نے کشش ثقل کی قوت کے ذریعے ہیلی کاپٹر کو نیچے کھینچ لیا۔" پروفیسر ادریس بولے۔

"اوہ.....پھر اب کیا ہو گا؟ اس طرح تو اس زمین پر فضائی راستے سے کوئی کاروائی کرنا بھی ناممکن ہو گیا ہے۔" ایک فوجی عہدیدار پریشان ہو کر بولے۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ہیلی کاپٹر کچھ نیچی پرواز کر رہا تھا۔ اسی لئے زمین اسے کھینچنے میں کامیاب ہو گئی ہمیں ایک بار پھر کاروائی کرنی چاہئے اور اس بار جہازوں کو استعمال کرنا چاہئے۔ جہاز ایک تو خاصی اونچی پرواز کریں گے۔ دوسرے ان کی رفتار تیز ہو گی لہٰذا زمین انہیں کشش ثقل کے ذریعے نہیں کھینچ سکے گی۔" پروفیسر ادریس نے کہا۔

"لیکن اتنی اونچائی اور تیز رفتار پروازوں کے ذریعے تو زہر کا اسپرے صحیح طرح نہیں ہو سکتا۔" ایک صاحب نے اعتراض کیا۔

"ہاں۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" پروفیسر ادریس نے سرہلایا۔"

"میری ایک تجویز ہے کہ زہر اسپرے کرنے کی بجائے کیوں نہ زہر کے کیپسول بنائے جائیں اور نہیں خولوں میں بند کر کے گولیوں کی طرح زمین پر برسایا جائے اس طرح کیپسول زمین میں دھنس کر پھٹ جائیں گے اور زہر زمین میں مل جائے گا۔" ڈاکٹر رفیع نے کہا۔

☆ --- ☆ --- ☆

اس بار بیک وقت تین طیارے اس علاقے پر حملہ آور ہوئے اور زندہ زمین پر پہنچتے ہی انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ تڑاتڑ گولیاں برسنے لگیں۔ ان گولیوں میں زہریلے کیپسول تھے جو زمین میں دھنس کر پھٹ جاتے۔ اس وقت جہاز پہلے تباہ شدہ شہر پر گولیاں برسا رہے تھے۔ ایک دم شہر زلزلے کی زد میں آگیا اور ایک بار پھر عمارتوں کا گرا ہوا ملبہ، اینٹیں اور پتھر اوپر اچھلنے لگے۔ زمین ان جہازوں کو نشانہ بنانا چاہتی تھی مگر جہاز خاصی اونچائی پر تھے لہٰذا پتھر ان تک نہ پہنچے اور اچھل اچھل کر واپس آگرتے۔ ادھر جہاز گولیاں

برساتے ہوئے آگے نکل گئے۔ جہاز تیزی سے نیچے کو آتے۔ تڑاتڑ فائرنگ کرتے اور اگلے ہی لمحے پھر اوپر اٹھ جاتے لہٰذا زمین اس پر کشش ثقل کی قوت لگانے میں بھی ناکام رہی۔ فائرنگ کرتے ہوئے وہ غیر آباد میدانی اور پہاڑی علاقے پر آگئے۔ زمین ایک بار پھر پہاڑی سے پتھر اچھالنے لگی مگر اس بار اسے مسلسل ناکامی ہو رہی تھی۔ جہاز بڑی کامیابی سے فائرنگ کرتے ہوئے دور نکل جاتے۔ پھر مڑ کر واپس آتے اور فائرنگ کرتے ہوئے دوسری طرف نکل جاتے۔ فائرنگ کا یہ کھیل کئی گھنٹے تک جاری رہا۔ اردگرد کے تمام علاقے پر گولیاں برسائی گئیں اور بے تحاشا برسائی گئیں۔ یہاں تک کہ ساری گولیاں ختم ہو گئیں اور جہاز اپنا مشن مکمل کر کے واپس لوٹ گئے۔

☆ --- ☆ --- ☆

"اب یہ کیسے پتہ چلے کہ زمین زندہ ہے یا مر چکی ہے۔" لمبے قد والا بولا۔ وہ، پروفیسر ادریس اور چند دوسرے لوگ، اس وقت ہیلی کاپٹر میں بیٹھے تھے اور ہیلی کاپٹر اس پراسرار زمین سے کافی بلندی پر فضا میں معلّق تھا۔

"یہ تو زمین پر اتر کر ہی پتہ چل سکتا ہے۔" پروفیسر ادریس نے بولے۔

"مگر اس میں تو خطرہ ہے، ہو سکتا ہے زمین ابھی زندہ ہو اور جو بھی اترے اسے ہڑپ کر لے۔"

"رسک تو لینا ہی ہو گا۔"

لمبے قد والے کی کمر سے تار باندھی گئی اور اسے ہیلی کاپٹر سے نیچے لٹکا دیا گیا۔ پھر چرخی گھمائی جانے لگی اور وہ آہستہ آہستہ نیچے ہونے لگا۔ زمین کے کافی قریب پہنچ گیا تو اس نے اشارہ کیا اور چرخی گھومنا رک گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کھرپی زمین پر چلائی۔ جب ندیم نے ایسا کیا تھا تو کھرپی زمین نے جکڑ لی تھی اور وہ واپس نہ نکل سکی تھی مگر اس بار ایسا نہ ہوا اور لمبے قد والے نے آسانی سے ذرا سی مٹی کھود کر تھیلی میں ڈال لی۔ اب اسے واپس اوپر کھینچا گیا اور وہ ہیلی کاپٹر میں پہنچ گیا۔

"مبارک ہو۔ میں مٹی لانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ زمین واقعی مر چکی ہے۔ ورنہ وہ اتنی آسانی سے مٹی نہ لینے دیتی۔" لمبے قد والا خوش ہو کر بولا۔

آخر وہ واپس ہوئے اور مٹی ڈاکٹر رفیع کے حوالے کی گئی۔ انہوں نے مٹی کا تجزیہ کرنے کے بعد بتایا کہ اس میں کسی قسم کی زندگی کے آثار نہیں ہیں۔ زمین واقعی مر چکی ہے۔

یہ سن کر سب میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

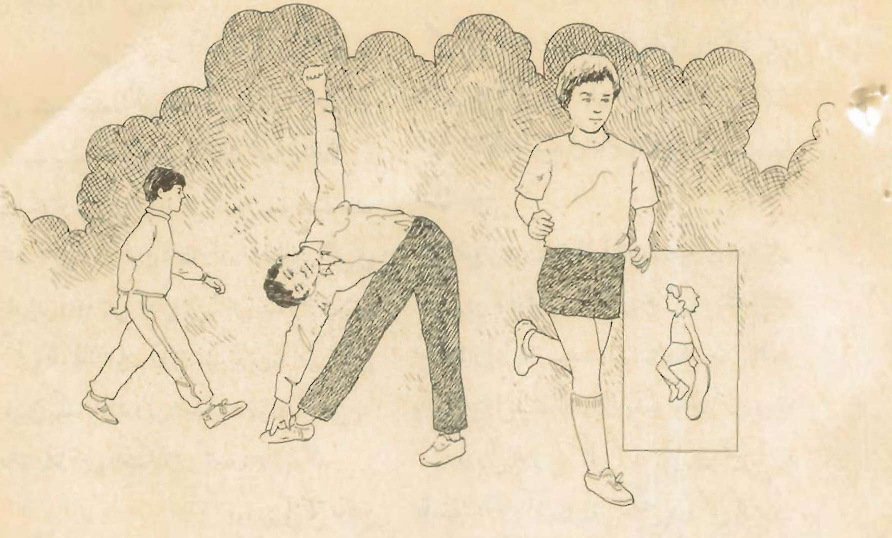

صحت مند رہنے کے اصول

غلام عباس طاہر

ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ جسم کو مضبوط اور ذہن کو صحت مند بنانے اور طویل زندگی گزارنے کی جدوجہد کرتا رہے۔ عرب ممالک، پاک و ہند اور روس کے کچھ علاقوں میں رہنے والے انسان سو برس سے زیادہ جیتے ہیں۔ یہ لوگ درخت لگانے، فصل کاٹنے اور بونے میں دو ہزار برس پہلے کے طریقے استعمال کرتے ہیں، وہ ننگے پاؤں چلتے ہیں، زمین پر سوتے اور بہتی ہوئی ندیوں اور چشموں میں نہاتے ہیں۔ اس طرح وہ فطرت کے قریب رہنے سے شہروں اور قصبوں میں رہنے والوں کی نسبت دگنی عُمر پاتے ہیں۔ ان کے فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے چار ذرائع ہیں : زمین، سورج، ہوا اور پانی۔

زمین پر صبح اور شام جب شبنم پڑتی ہے تو ننگے پاؤں چلنے سے جسم کا زمین کے ساتھ رابطہ زیادہ موثر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان اوقات میں زمین

کی مقناطیسی قوت سے فائدہ اُٹھانا، ہوا میں سونے کی نسبت زیادہ سہل ہے۔

سورج حیرت انگیز قوت اور صحت کا منبع ہے۔ جسے دانش اور احتیاط سے استعمال نہ کرنے سے جسمانی طور پر سخت نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ دھوپ میں زیادہ دیر تک پڑے رہنے سے سخت جلن، درد، خون کا نظام اور اعصابی بد نظمی کی بیماریاں وجود میں آجاتی ہیں، اس لئے دھوپ میں غسل کا آغاز میانہ روی سے کریں۔ شروع میں سورج کے سامنے دس منٹ سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ رفتہ رفتہ اس وقت کو بیس تک بڑھائیے گا۔

ہوا زندگی کی اوّلین ضرورت ہے بلکہ عمدہ صحت کے لئے ایک بڑا معاون ہے۔ آپ گہرا سا نس لیں یہاں تک کہ پردہ شکم پر دباؤ پڑے۔ کچھ دیر کے لئے سانس روکیں پھر منہ کے راستے باہر نکالیں یہ سانس کا مکمل عمل ہے۔ جس کے دوران آپ کی جلد کے ہزاروں مسام بھی سانس لے رہے تھے۔ اس طرح روزانہ چند مرتبہ گہرے سانس لینے سے اعصاب مضبوط اور خون صاف ہوتا ہے۔

ایک آدمی اپنی زخمی انگلی دھو کر اس پر پٹی باندھتا ہے اور پانچ چھ دن تک یہ عمل روزانہ دہراتا ہے لیکن زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوتا۔ پھر وہ پٹی پھینک دیتا ہے اور چند دنوں میں زخم اچھا ہو جاتا ہے۔

ننگے پاؤں کے ساتھ سیر کرنے والوں کو کبھی گٹھیا یا دورانِ خون کی بیماریاں لاحق نہیں ہوتیں جو انہیں پتلونوں اور جرابوں کے اندر زیادہ گرم اور پسینے کی حالت میں رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔

کبھی ضرورت سے زیادہ لباس زیب تن نہ کریں لیکن بدن کو ہواؤں سے بھی بچائیں۔ ننگے پاؤں سیر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ورنہ چمڑے کے تلووں والے سینڈل پہنئے تاکہ زمین کے ساتھ لمس رہے قدرتی طور پر غسل گرم پانی سے نہیں کرنا چاہئے۔ جس کمرے میں نہائیں وہ بھی گرم نہ ہو۔ اگر ہوا اور پانی کا درجہ حرارت یکساں ہو تو یہ بات آپ کے لئے آرام دہ ہوگی۔ غسل کے ختم ہونے اور خشک ہونے تک جسم کو ملتے رہنا ضروری ہے۔ اس قدرتی طریقہ سے تولیے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ تولیے کا استعمال آپ کو جسم کے ملنے کے فوائد سے محروم کردے گا۔ ہوا میں غسل سے جلد کے تمام مسام کُھل جاتے ہیں اور جسم ہوا کی صحت بخش صفات سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔

اگر آپ ان طریقوں سے زندگی بھر رابطہ رکھیں تو زندگی کو پُرلطف، صحت مند، توانا، شاندار اور لمبی رکھ سکتے ہیں۔

چٹاخ پٹاخ

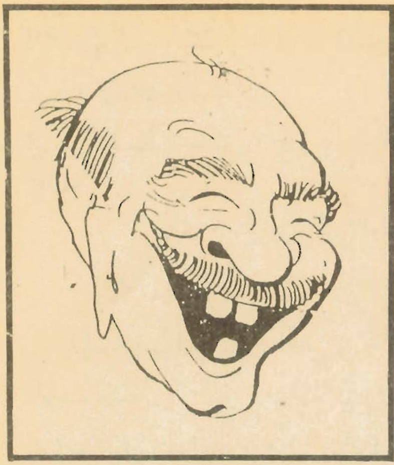

ایک بچّے نے ماں سے پوچھا۔ "امی جان! کیا الیکشن کمشنر صاحب بھی کسی اسکول کے ماسٹر ہیں؟"

ماں نے جواب دیا۔ "نہیں بیٹا..... کیوں؟"

بچّے نے کہا۔ "تو پھر انہوں نے امیدواروں کو اگست تک کھڑا رہنے کی کیوں ہدایت دی ہے؟"

مرسلہ : نادیہ کوثر، کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

استاد (شاگرد سے) "حامد! تمہارے ابا جان نے کل جو آٹھ سیب بھیجے تھے میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کل ان سے ملوں گا۔

حامد (تھوک نگلتے ہوئے) "لیکن جناب! شکریہ! بارہ سیبوں کا ادا کیجئے گا۔"

مرسلہ : احمر، صادق آباد

☆ --- ☆ --- ☆

ایک مشاعرے میں ایک شاعر صاحب اپنے چار پانچ سالہ بچّے کو بھی لے گئے۔ بچّہ بڑی حیرت سے مشاعرہ دیکھ رہا تھا کہ ایک شاعر پڑھتا ہے باقی تمام مجمع اسے ڈانٹتا ہے مگر وہ باز نہیں آتا اور پڑھے جاتا ہے۔ آخر اس شاعر کی باری آئی۔ وہ پڑھنے کے لئے اسٹیج پر جانے لگے۔ تو ان کے بچّے نے ان کا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔

"ابا! تم نہ گاؤ!" شاعر نے کہا۔ "نہیں بیٹا! میں شعر سناؤں گا۔"

بچّے نے کہا "نہ گاؤ ابا! تم کو بھی سب مل کر ڈانٹیں گے۔"

مرسلہ : ریاض احمد، حیدر آباد

☆ --- ☆ --- ☆

استاد (شاگرد سے) شاہد! تمہارا آج مار کھانے کا تو ارادہ نہیں۔"

شاگرد : "نہیں جناب! میں نے تو آج روزہ رکھا ہے۔"

مرسلہ : طاہر ناز انصاری، جہلم

☆ --- ☆ --- ☆

ڈاکٹر (بچے کا پیٹ دیکھتے ہوئے) "بتاؤ بیٹا! پیٹ میں درد کس وقت ہوتا ہے؟"

بچہ : "جناب! جب میں اسکول جانے لگتا ہوں۔"

مرسلہ : خیرالدین بلوچ، گوادر

☆ --- ☆ --- ☆

ایک ماں نے اپنے بچے کو اسکول میں داخل کراتے ہوئے، ہیڈ مسٹریس سے کہا "میڈم میرا بچہ بہت حسّاس ہے۔ اسے سزا ہرگز نہ دیجئے گا اگر یہ اتفاقاً" کوئی شرارت کر بھی جائے تو اس کے برابر والے بچے کو زور سے تھپڑ مار دیجئے گا۔ یہ خود ڈر جائے گا۔"

مرسلہ : ابو غازی محمد، کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

ایک لڑکے نے اپنے والد کو خط لکھا : "ابا جان! میں اب اردو میں "کابل" جا رہا ہوں۔"

باپ نے جواب دیا، بیٹا جی! کابل سے واپسی کے بعد مجھے دوسرا خط ضرور لکھنا!!"

مرسلہ : شیر نواز گل، پشاور

☆ --- ☆ --- ☆

استاد صاحب نے کلاس میں پوچھا "کیا آج تم نے نیکی کا کوئی کام کیا ہے؟"

"یس سر آج ہم سب نے مل کر ایک بوڑھی عورت کو سڑک پار کرائی"

ایک بچے نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔

"شاباش! مگر تم سب نے مل کر کیوں سڑک پار کرائی یہ بات سمجھ نہیں آئی۔"

"سر! دراصل وہ عورت سڑک پار کرنا نہیں چاہتی تھی۔" بچے نے جواب دیا جبکہ آپ کا حکم تھا کہ ہر روز کوئی نہ کوئی نیکی کا کام ضرور کیا کرو۔"

مرسلہ : محمد اختر سردار، کسووال

☆ --- ☆ --- ☆

استاد (شاگرد سے) : "دین محمد! بتاؤ خلوص، محبت اور مروّت میں کیا بات مشترک ہے؟"

شاگرد : "جناب یہ تینوں چیزیں اب صرف کتابوں میں ملتی ہیں۔"

مرسلہ : ریاض احمد، حیدرآباد

☆ --- ☆ --- ☆

محکمہ تعلیم کا افسر ایک دیہی اسکول کا معائنہ کرنے گیا۔

معائنے کے دوران اس نے ایک کلاس میں بلیک بورڈ پر لفظ "الیکٹرک" لکھا اور ایک بچے سے پوچھا کہ "یہ کیا لفظ ہے؟"

بچے نے چند لمحے سوچا اور جواب دیا "علی کڑک"

افسر کو بہت غصہ آیا اور ساتھ کھڑے ماسٹر صاحب سے بولا "آپ ہی بتائیے جی یہ لفظ کیا ہے؟"

استاد نے بلیک بورڈ کو گھورتے ہوئے کہا۔ "الیہ

کڑک لگتا ہے سر!!"

مرسلہ : گہرام حیات، تربت

☆ --- ☆ --- ☆

ایک وزیر صاحب کی بیٹی لندن سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد وطن واپس پہنچی۔ ایک دن ان وزیر صاحب نے پوچھا

"بیٹی لندن جانے سے پہلے تم مجھے پاپا کہا کرتی تھیں مگر اب ڈیڈی کہتی ہو...... کیا وجہ ہے؟"

بیٹی نے جواب دیا "وہ ڈیڈی بات دراصل یہ ہے کہ ..... پاپا کہنے سے میری لپ اسٹک خراب ہو جاتی ہے!"

مرسلہ : فدا بلوچ، گوادر

☆ --- ☆ --- ☆

ایک بچے کا ذہنی رجحان معلوم کرنے کے لئے اس کے بڑے بھائی نے یہ کام کیا کہ ایک کمرے میں قلم، سو کا نوٹ، چاقو اور ایک فلمی اداکار کی تصویر رکھ دی۔ بچے کو کمرے میں بھیج کر خود چھپ کر اندر ہونے والی "کاروائی" دیکھنے لگا۔

بچے نے کمرے میں آکر ادھر ادھر دیکھا اور پھر چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے قلم اور چاقو کو سو کے نوٹ میں لپیٹ کر جیب میں رکھا اور باہر بھاگ گیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر اس کا بھائی چلّا اُٹھا۔

"اومائی گاڈ! یہ تو بڑا ہو کر سیاست دان بنے گا!!"

مرسلہ : جان محمد، پسنی

☆ --- ☆ --- ☆

بچوں کو "سُستی" پر مضمون لکھنے کے لئے دیا گیا۔ دوسرے دن کاپیاں چیک کرتے ہوئے ایک کاپی ایسی بھی آئی جس کے سارے صفحے خالی تھے جبکہ آخری صفحے پر لکھا تھا : "یہ ہے سستی!"

مرسلہ : عالیہ، کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

ایک بچہ اپنے اسکول کی لائبریری میں داخل ہوا اور لائبریرین سے کہا :

"جناب مجھے بچوں کی نگہداشت پر کوئی کتاب دے دیں"

لائبریرین نے ایک کتاب نکال کر بچے کو دیتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹا کیا یہ کتاب تمہارے ابو امی نے منگوائی ہے؟"

"نہیں جناب" بچے نے جواب دیا "میں خود دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے والدین میری نگہداشت صحیح طریقے سے کر رہے ہیں یا نہیں!!"

مرسلہ : عظمیٰ مصطفیٰ، کراچی

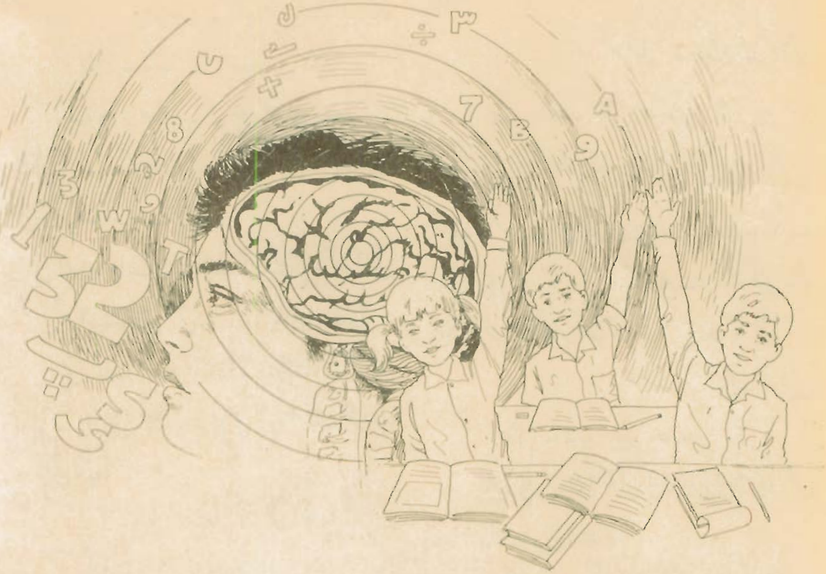

یاداشت بڑھائیے

محمد سلیم شاکر

ایک عام شخص اپنی اصلی قوت حافظہ کو دس فیصد سے زیادہ استعمال نہیں کرتا۔ فطری قوانین حافظہ کی غلطی کر کے وہ نوے فیصد قوت حافظہ ضائع کر دیتا ہے۔

یہ فطری قوانین حافظہ تین ہیں۔ ہر طریقہ یادداشت کی بنیاد انہی پر ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ تاثر، تکرار اور تلازم خیالات۔

حافظے کا پہلا اصول یہ ہے کہ جس بات کو آپ اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کا تاثر بڑا گہرا، واضح اور دیرینہ ہونا چاہئے۔ یعنی جس چیز کو آپ اپنی یاد داشت میں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں کچھ دیر اس کے بارے میں دلچسپی سے سوچیں اور اپنا دھیان کسی اور طرف مت کریں اور اس کا گہرا اثر ذہن میں بٹھائیں۔ ہم روزانہ ہزاروں چیزیں دیکھتے ہیں۔ لیکن کتنی چیزیں ہمیں یاد رہتی ہیں۔ صرف چند ایک۔ انہیں مکمل طور

بارے میں ہم دلچسپی کا اظہار نہیں کرتے۔ اس لئے یہ چیزیں ہمارے ذہن پر کوئی واضح اثر نہیں چھوڑتیں۔

تصوّر کے ذریعے کسی چیز کو آنکھوں کے سامنے لانے کی صلاحیت ہم سب میں ہے۔ آنکھوں کے تاثرات قائم رہتے ہیں۔ خواہ ایک شخص کا نام ہمیں یاد نہ آئے لیکن ہم اس کی شکل آنکھوں کے سامنے لاسکتے ہیں۔ جو پٹھے آنکھوں سے ذہن کی طرف جاتے ہیں وہ ان پٹھوں سے پچیّس گُنا بڑے ہوتے ہیں جو آنکھوں سے ذہن کی طرف آتے ہیں۔ اسی لئے ایک چیز کو ہزار بار سننے کی نسبت ایک نظر دیکھنا بہتر ہے۔

جس طرح کیمرہ دُھند میں تصویر نہیں اُتار سکتا۔ اسی طرح ذہن بھی توجہ کے بغیر دیکھی ہوئی چیز کو یاد نہیں رکھ سکتا۔

تاریخیں اور سن یاد رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ کیونکہ وہ ہندسوں پر مشتمل ہوتی ہیں اور ہندسے بے روح اور غیر دلچسپ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی کوئی خیالی تصویر ذہن میں نہیں بنتی۔ اگر آپ ہر ہندسے کی ایک خیالی تصویر ذہن میں بنالیں تو تاریخیں بڑی آسانی سے یاد رکھی جاسکتی ہیں۔ اور وہ تصویریں کس طرح بنائی ہیں یہ ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

ذیل میں چند ہندسوں کی تصویریں ہیں۔ ان کو آزما کر دیکھ لیں آپ یقیناً" فائدے میں رہیں گے ورنہ لُطف اندوز تو ضرور ہوں گے۔

۱۔ نیک، ایک کے ساتھ کسی نیک شخص کو ذہن میں لائیں۔

۲۔ سو، دو کے ساتھ کسی شخص کو جو سو رہا ہو ذہن میں لائیں۔

۳۔ بین، کسی سپیرے کو بین بجاتا ہوا تصوّراتی آنکھ سے دیکھیں۔

۴۔ مار، چار کے ساتھ جیسے کسی شریر بچے کو مار پڑ رہی ہو۔

۵۔ آنچ، جیسے چولہے سے ہلکی ہلکی آنچ اٹھ رہی ہو۔

۶۔ چھکا، جیسے میانداد نے شارجہ کپ میں چھکا لگایا۔

۷۔ ہاتھ، کسی کا خوبصورت ہاتھ یا ساتھ ذہن میں لائیں۔

۸۔ ٹھاٹھ، جیسے کوئی ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزار رہا ہو۔

۹۔ جو، جو کا پودا ذہن میں لائیں۔

۱۰۔ بس، جیسے آپ اسکول یا کالج میں بس پر

ذہن میں بٹھائیے۔

اس طرح بہت سی چیزیں آپ اپنے ذہن میں بٹھا سکتے ہیں۔

اب حافظہ کے دوسرے اصول تکرار کی طرف آتے ہیں۔ تکرار کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس چیز کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں اس کو بار بار دہرائیں رٹے سے نہیں بلکہ توجہ سے دہرانا۔ اس طرح آپ بہت سا سبق یا حوالے ذہین نشین کرسکتے ہیں۔ کوئی بات بے سوچے سمجھے اندھا دھند یاد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح آدمی کو یاد تو ہو سکتا ہے، مگر ایک تو یہ جلد بھول جاتا ہے۔ دوسرا اس طرح سوچ سمجھ کر پڑھنے والے کی نسبت دگنا وقت ضائع ہوتا ہے۔ یاد کرنے کے دوران چھوٹے چھوٹے وقفے رکھنے چاہئیں اس طریقے سے ذہن تازہ رہتا ہے۔

یہ سب کچھ تو حافظے کے پہلے قانونوں کے متعلق تھا۔ یاد داشت کے لئے تیسرا قانون "تلازمِ خاصیت" نہایت اہم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے خیالات میں ربط ہونا چاہئے۔ اگر آپ کسی شخص یا خود اپنے ذہن سے کہیں کہ یاد کرو تو ذہن میں جو تصویر اُبھرے گی وہ کچھ نہیں ہوں گی مگر ایک سوالیہ نشان (؟) کہ تم مجھ سے کیا یاد کروانا چاہتے ہو۔ غرض ایک ہلکے سے اشارے کی ضرورت ہے جو قوت حافظہ کی بے پناہ صلاحیتوں کو ایک نقطے کی طرف موڑ دے گا۔ آپ جونہی اسے کسی واقعہ مثلاً تاریخ پیدائش یا صبح کے ناشتے کا اشارہ کریں گے تو ذہن میں صحیح تاریخ پیدائش کے ماہ و سال لپک کر آجائیں گے۔ یا صبح جو کچھ کھایا تھا۔ ہو بہو اس کی تصویر ذہن پر منقّش ہوجائے گی۔

تاریخیں یاد رکھنے کا بہترین طریقہ ہے کہ انہیں ذہن میں پہلے ہی سے نقش شدہ تصویروں سے منسلک کردیا جائے۔ مثلاً جنگِ پلاسی کا سن یاد نہیں رہتا تو اسے جنگِ آزادی سے ملالیں کہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔ اسی طرح سکھوں نے پنجاب پر ۱۷۹۸ء میں قبضہ کیا۔ اگر آپ اسے یونہی یاد رکھنا چاہیں گے تو تاریخ آپ کے ذہن سے یوں گر پڑے گی جس طرح کار کا کوئی ڈھیلا پُرزہ گر جاتا ہے لیکن اگر آپ اسے سرسیّد کی وفات ۱۸۹۸ء کی نسبت سے یاد کرنے کی کوشش کریں تو یہ زیادہ آسان ہوگا۔ اس طرح یہ کسا ہوا پُرزہ یا پیچ اپنی جگہ قائم رہے گا۔ اسی طرح شملہ وفد اور مسلم لیگ کے قیام دونوں کی تاریخ ۱۹۰۶ء ہے اور ان سے ایک سال پہلے تقسیمِ بنگال ہوئی تھی۔ اس طرح یاد کرنے سے یہ تاریخیں آپ کو ہمیشہ ازبر ہوجائیں گی۔

عمل زندگی بنتی ہے

تحریر: الیکی برینڈن برگ
ترجمہ: سہیل احمد صدیقی

جب جارج واشنگٹن کارور George Washington Carver پیدا ہوا تو بہت سی باتیں اس کے خلاف تھیں۔ وہ ایک بیمار کمزور اور مختصر سا بچہ تھا۔ اس کے والد کا انتقال ہوچکا تھا اور اس کی والدہ اس کی اور اس کے بھائی جیمس (James) کی دیکھ بھال کے لئے تنہا رہ گئی تھیں۔ سب سے بُری بات تو یہ تھی کہ وہ غلاموں کی اولاد تھا۔ مستقبل بالکل روشن نہ تھا..... مگر جارج واشنگٹن کارور کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ وہ ایک ایسا انسان تھا جس نے بدی کو نیکی میں، مایوسی کو اُمید میں اور نفرت کو محبت میں تبدیل کردیا۔

وہ ایک ایسا انسان تھا جس نے اپنی ساری زندگی اپنے اردگرد رہنے والوں کی مدد کے لئے وقف کردی تھی۔ یہ اسی کی کہانی ہے، جارج واشنگٹن کارور ۱۸۶۰ء میں مسوری Missouri

(امریکہ) میں پیدا ہوا۔ وہ دور بڑا بھیانک تھا۔ بدمعاش لوگ رات میں دبے پاؤں گھوڑوں پر سوار آتے' غُلاموں کو ان کے آقاؤں سے چھین کر اغوا کر لیتے اور جو انہیں روکنے کی کوشش کرتا اسے نقصان پہنچاتے تھے۔

ایک رات انہی بدمعاشوں کے گروہ نے موسس کارور (Moses Carver) کے فارم (Farm) پر ہلّہ بول دیا' جارج اور اور اس کی والدہ میری کا آقا تھا۔ خوف کے مارے ہر کوئی بھاگا' مگر اس سے پہلے کہ میری اپنے بچے کو چھپاتی' بدمعاش آئے اور ان دونوں کو پکڑ کر رات کی تاریکی میں گم ہو گئے۔

موسس نے ایک آدمی کو ان کی تلاش میں بھیجا۔ میری تو کبھی نہ ملی مگر کچھ ہی دنوں میں وہ آدمی اپنے کوٹ میں لپٹا ہوا ایک بنڈل اپنی سائیکل پر لادے واپس آیا۔ یہ وہ بچہ تھا جارج۔

موسس اور اس کی بیوی سوسن (Susan)' میری کے بچوں کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ جارج کا قد چھوٹا اور جسم کمزور ہی رہا۔ مگر جب وہ بڑا ہوا تو انہیں (اس کے مالکوں کو) پتہ چلا کہ یہ تو غیر معمولی بچہ ہے۔ وہ اپنے گرد ہر چیز کے بارے میں جاننا چاہتا تھا وہ بارش' پھولوں اور کیڑے مکوڑوں کے بارے میں سوال کرتا تھا۔ وہ ایسے سوال کرتا تھا جس کا جواب کارور گھرانے کے پاس نہ ہوتا تھا۔

جب وہ بہت چھوٹا تھا تو اس نے ایک باغیچہ بنایا تھا جہاں وہ روزانہ کئی گھنٹے پودوں کی دیکھ بھال میں صرف کرتا تھا۔ اگر صحیح سے نہ بڑھ رہے ہوتے تو وہ اس کی وجہ معلوم کرتا۔ جلد ہی وہ پودے ٹھیک ہو کر بڑھنے لگتے۔ سردیوں میں وہ اپنے پودوں کو حفاظت کے خیال سے ڈھک دیتا تھا۔ موسمِ بہار میں وہ نئے بیج بُوتا تھا' جارج ہر پودے کا اس طرح خیال رکھتا جیسے وہی باغیچے میں اگلو تا ہو۔

جارج کے پڑوسیوں نے اپنے پودوں کے متعلق جارج سے مشورہ لینا شروع کردیا اور جلد ہی وہ "پودوں کا ڈاکٹر" مشہور ہوگیا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا جارج کی زیادہ سے زیادہ جاننے کی جستجو بڑھتی گئی۔ وہ پڑھنا چاہتا تھا اور اسکول جانے کے لئے بے تاب تھا۔ اسی دوران میں غلام آزاد ہوگئے' مگر قریبی اسکولوں میں نیگرو لوگوں کا داخلہ منع تھا۔ چنانچہ جب جارج دس سال کا ہوا تو اس نے اپنے بھائی' اپنے باغیچے اور کارور فارم کو چھوڑا اور اپنے سوالوں کے جوابات ڈھونڈنے کو نکل کھڑا ہوا۔

جارج واشنگٹن کارور جہاں کہیں اسکول دیکھتا' ٹھہرجاتا' وہ اپنی روزی کمانے کے لئے لوگوں کے کام کردیتا۔ وہ ان کے فرش رگڑ کر

صاف کرتا، ان کے کپڑے دھوتا اور ان کے لئے روٹی پکاتا تھا۔ جارج جو کام بھی کرتا، خوب کرتا تھا۔ اس کے لئے چھوٹے سے چھوٹا کام بھی اہم ہوتا تھا۔

کچھ لوگ جارج کو بیٹا بنائے ہوئے تھے۔ وہ شروع میں ماریہ اور اینڈی واٹ کنس (Andy Watkins) کے ساتھ رہا جو بالکل اس کے ماں باپ کی طرح پیش آئے۔ پھر وہ کینساس (Kasas) چلا گیا اور آنٹی لوسی (Lusy) اور انکل سیمر (Seymour) کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ بھی اس کم گو اور مدد کے لئے آمادہ رہنے والے لڑکے سے پیار کرتے تھے۔

جارج نے بہت سال سخت محنت کی اور ہمیشہ کالج کے لئے کافی پیسہ اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا۔ دوسرے لڑکے جن کی مدد کو ان کے والدین موجود تھے، جارج سے بہت پہلے کالج میں داخلے قابل ہوگئے۔ وہ پیسے جمع کرتے کرتے تیس سال کا ہوگیا، مگر اب بھی یہ کام اتنا آسان نہ تھا۔ تمام کالجز نیگرو کو داخلہ نہیں دیتے تھے، خواہ ان کے پاس دینے کے لئے پیسے بھی موجود ہوں۔

جارج دل برداشتہ نہیں ہوا۔ وہ آئیوا (Iwoa) چلا گیا اور وہاں اس نے ایک ایسا کالج ڈھونڈ نکالا جو بخوشی نیگرو طالب علم کو داخلہ دینے پر آمادہ تھا۔

کالج میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ جارج نے کام کاج جاری رکھا۔ اس نے ایک لانڈری (Laundry) کھول لی جس میں وہ اپنے اسکول کے ساتھیوں کے کپڑے دھوتا تھا۔

اس نے پڑھائی جاری رکھی۔ اس کے اساتذہ اور دوستوں نے جلد جان لیا کہ اس سرگرم جوان آدمی میں بے پناہ صلاحیتیں ہیں۔ وہ پیانو بجالیتا، وہ گانا اچھا گاتا اور وہ مصوّر بھی بہت کمال کا تھا، اصل میں اس نے ایک مرتبہ مصوّر بننے کا سوچا تھا۔ مگر جب وہ کچھ کرنے کی خواہش کرتا تو اسے اپنے لوگوں کی مدد کرنے کی بھی لگن ہوتی اور اسے یاد تھا کہ اس کے پڑوسی اسے "پودوں کا ڈاکٹر" کہہ کر بلاتے تھے۔ اس نے پودوں سے محبت کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ اس نے اپنی جستجو کے سارے سالوں میں اپنے کمرے میں کچھ نہ کچھ اُگایا ضرور تھا۔

آخر کار جارج واشنگٹن کارور نے زراعت کے مضمون کا انتخاب کیا۔ اس نے پودوں، پھولوں اور مٹی کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اس نے ویڈ (Weed) کے نام سیکھے۔ یہ بھی اس کے لئے اہم تھے۔ وہ اکثر کہتا : "ویڈ (Weed) غلط جگہ پر کِھلنے والا پھول ہے"

وہ اب بھی سوال کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص یا کتاب اسے جواب نہ دیتی تو وہ خود سے جواب

تلاش کرتا۔ اس نے پودوں پر تجربات کئے اور ایسے بھید جان لئے جو کوئی نہ جانتا تھا۔ کالج سے فارغ ہونے کے بعد جارج نے پڑھانا شروع کردیا۔ اسے الاباما (Alabama) جانے کو کہا گیا جہاں نیگروز کے ایک کالج کو اس کے ٹیلنٹ کی ضرورت تھی۔ وہاں ٹسکے جی (Tuskegee) انسٹی ٹیوٹ تھا' جہاں جارج واشنگٹن کارور نے اپنی زندگی صحیح معنوں میں بنالی۔

الاباما میں پروفیسر کارور نے اپنے شاگردوں اور غریب نیگرو کسانوں کو پڑھایا' جو مٹی سے اپنی روزی کماتے تھے۔ اس نے انہیں بتایا کہ بہتر فصلیں کیسے اُگائی جاسکتی ہیں۔ اکثر کسان کپاس اُگاتے تھے' مگر بعض اوقات بارش یا کیڑوں سے فصلیں تباہ ہوجاتی تھیں اور کسان جو کماتے اس کے کھانے کو پورا نہ پڑتا۔

پروفیسر کارور نے انہیں دوسری چیزیں اُگانے کا مشورہ دیا۔ شکرقند اور مونگ پھلی اچھی اچھی فصلیں تھیں۔ اُگانا آسان تھا۔ اس نے کہا کہ صرف کپاس اُگانے سے زمین کو نقصان پہنچتا ہے' بہتر ہوگا کہ ہر سال مختلف فصلیں اُگائی جائیں۔ کسان اس کی بات سننا ہی نہ چاہتے تھے۔ انہیں مونگ پھلی اور شکرقند اُگاتے ہوئے خوف آتا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی ان اجناس کو نہیں خریدے گا' مگر پروفیسر کارور نے اپنی تجربہ گاہ میں تجربے کئے۔ اس نے دریافت کیا کہ شکرقند سے بہت سی چیزیں بنائی جاسکتی ہیں۔ اس نے صابن (Soap) کافی (Coffee) اور کلف (Starch) تیار کیا۔ اس نے شکرقند سے ایک سو سے زیادہ چیزیں تیار کرلیں۔

اس کے باوجود کہ ان دنوں لوگ مونگ پھلی کو "بندروں کی غذا" کہتے تھے' پروفیسر کارور نے کہا کہ یہ بھی لوگوں کے لئے اچھی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی اس نے دریافت کیا کہ مونگ پھلی سے بہت سی چیزیں بنائی جاسکتی ہیں۔ کاغذ' سیاہی' شیونگ کریم' سوس (Sauces)' لینولئیم (Linoleum)' شیمپو' اور دودھ بھی! سچ تو یہ ہے کہ اس نے مونگ پھلی سے تین سو مختلف اشیاء بناڈالیں۔

ایک مرتبہ جب کچھ اہم مہمان ٹسکے جی (Tuskegee) آنے والے تھے' ڈاکٹر کارور نے مینو (Menu) چنا۔ مہمان میز کے گرد جمع ہوئے اور سوپ' کریمڈ موک (mock Creamed) مرغی' روٹی' سلاد' کافی' کینڈی (Candy)' کیک اور آئس کریم سے لطف اندوز ہوئے اس وقت ان کی حیرت کا اندازہ لگائیے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ سارا کھانا مونگ پھلی سے تیار ہوا ہے۔

رفتہ رفتہ کسان جارج واشنگٹن کارور کی باتیں سُننے لگے۔ وہ مونگ پھلی اور شکرقندی اُگانے لگے اور پھر انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ یہ دونوں الاباما کی اہم ترین فصلیں بن چکی ہیں۔

بہت جلد سارے ملک کو ڈاکٹر کارور اور اس کے عظیم کارناموں کے متعلق پتہ چل گیا۔ اسے صدر اور دیگر اہم شخصیات نے اعزاز سے نوازا۔ ہر روز اس کا لیٹر بکس کسانوں اور سائنس دانوں کے خطوط سے بھرا ہوتا جو اس سے ہدایت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسے بڑی بڑی رقموں کی پیشکش ہوتی جسے اس نے مسترد کردیا۔ اس کے لئے پیسہ اہم نہیں تھا۔ اس نے تو وصول ہونے والے بہت سے چیک کیش کرانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

جارج واشنگٹن کارور نے ساری عمر کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ وہ صرف تعاون کا طلب گار تھا۔ وہ اکیلا رہتا تھا اور اپنی ضروریات خود ہی پوری کرتا تھا۔ وہ اپنے کپڑے خود دھوتا اور ان میں پیوند بھی لگالیتا تھا۔ وہ اپنا بنایا ہوا صابن استعمال کرتا اور اپنی اُگائی ہوئی غذا کھاتا تھا۔

ڈاکٹر کو دنیا کے مختلف حصّوں سے خطاب کرنے کی دعوت ملی، مگر اکثر اس نے ٹسکے جی (Tuskegee) نہیں چھوڑا۔

اس کے پاس کرنے کو کام ہوتے تھے۔ اس نے مصوّری جاری رکھی۔ وہ سبزہ زار میں اور تجربہ گاہ میں کام کرتا، جہاں اس نے بہت سی چیزیں دریافت کیں۔ اس نے دریافت کیا کہ پودوں سے ڈائی (Dyes) اور الاباما کلے (الاباما کی مخصوص مٹی) سے رنگ تیار ہوسکتے ہیں۔

ڈاکٹر کارور کی عمر اسّی سال سے زیادہ ہوگئی اور موت سے قریب تھا، مگر اس نے کام جاری رکھا۔ رات پر رات بیتتی گئی، جب سارا شہر سورہا تھا تو اس کی کھڑکی میں روشنی جل رہی ہوتی تھی۔

وہ بچہ جو بہ ظاہر کسی روشن مستقبل کی اُمید کے بغیر دنیا میں آیا، اپنے ملک کے عظیم سائنس دانوں میں شامل ہوگیا۔ جارج واشنگٹن کارور نے اپنی نیکی اور لگن سے نہ صرف اپنے لوگوں کی بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کی مدد کی!!

محمد عادل منہاج کے ابو علیل ہوگئے!

بچّوں کے مقبول مصنف محترم محمد عادل منہاج کے والدِ محترم پتھری کے آپریشن کے بعد فالج کے حملے کا شکار ہوگئے ہیں۔ ادارہ ان کی صحت یابی کے لئے دعاگو ہے اور اپنے قارئین سے درخواست کرتا ہے کہ وہ بھی محترم محمد عادل منہاج کے والدِ محترم کو اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں!

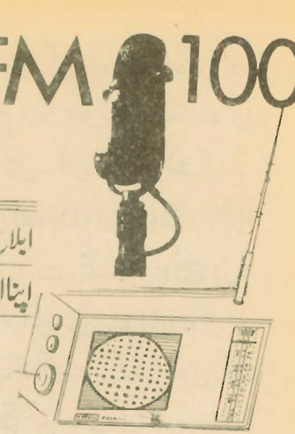

ریڈیو، ایف ایم 100

اور سُلطان بشیر

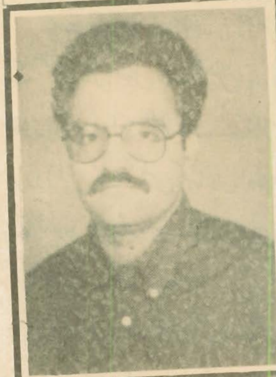

ابلاغ کے ذرائع انسانیت کی تعلیم میں اپنا اہم اور موثر کردار ادا کر سکتے ہیں

آواز کا سفر

۱۸۹۴ء میں مارکونی نے ریڈیو ایجاد کیا تو ابلاغ (Media) کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا۔ ریڈیو نشریات کا مؤثر ترین ذریعہ ہے جو اپنے پیغام کو بہت تیزی کے ساتھ ہزاروں میل تک پھیلا سکتا ہے۔ یہ تو آپ سب کو معلوم ہی ہے کہ آواز لہروں کی شکل میں سفر کرتی ہے بالکل اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پر سکوت جھیل میں پتھر پھینکا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ پتھر پھینکتے ہی پہلے ایک چھوٹا دائرہ پھر اس سے بڑا اور پھر اس سے بڑا حتیٰ کہ یہ دائرے جھیل کے کناروں کو چھُو جائیں گے۔ ریڈیو نشریات کا طریقہ کار ہے جس شخص کی بھی آواز ریڈیو سے نشر کی جاتی ہے وہ ایک آلہ کے سامنے بولتا ہے جیسے مائیکرو فون کہا جاتا ہے۔ آواز لہروں کی شکل میں سفر کرتی ہوئی ٹرانسمیٹر میں داخل ہوتی ہے اور ٹرانسمیٹر ایک مقناطیسی عمل کے ذریعے آواز کو روشنی کی لہروں میں منتقل کر دیتا ہے۔ یہ لہریں 186000 ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں۔ ریڈیو سیٹ میں ان آوازوں کو وصول کرنے والا ایک آلہ نصب ہوتا ہے۔ جو ان آوازوں کو دوبارہ ہوا میں بکھیر دیتا ہے ریڈیو نشریات مختلف لہروں میں نشر کی جاتی ہیں۔ یہ وہی آواز کی لہریں ہیں۔ کچھ لہروں کا دائرہ بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتا ہے۔ جنہیں شارٹ ویوز یا (SW) کہتے ہیں۔ ان لہروں کے ذریعے آپ دور دراز کے مقام پر بیٹھے یہ نشریات سن سکتے ہیں۔ میڈیم ویوز کا دائرہ تو بڑا ہوتا مگر یہ زیادہ سے زیادہ ہزار میل تک کے لئے ہوتا ہے۔ جبکہ ایک ذریعہ F.M ہے جس کا

مسلسل اشاعت کے 55 سال

DAILY NAWA-I-WAQT KARACHI

روزنامہ نوائے وقت کراچی

بانی: حمید نظامی مرحوم — ایڈیٹر: مجید نظامی

کراچی، لاہور، راولپنڈی/اسلام آباد اور ملتان سے بیک وقت شائع ہوتا ہے

SATURDAY DECEMBER 23, 1995

جلد 17 — شمارہ 77 — صفحات 12 — قیمت 7 روپے — فون نمبر 23-5843720 — رجسٹرڈ ایس ایس نمبر 24

سلطان بشیر ڈش انٹینا کا انعام وصول کر رہے ہیں

"کوئی آلہ، نہ الہ دین کا چراغ"

ایف ایم سے ٹیلیفون پر رابطہ کا آسان طریقہ

ریکارڈ کالز کے اعزاز یافتہ سامع کا انکشاف

کراچی (کلچرل رپورٹر) ایف ایم ۱۰۰ پر ۱۵۰ ریکارڈ ٹیلیفون کال کرنے والے سامع اور معلومات عامہ کے ماہر سلطان بشیر کے بارے میں بیشتر سامعین کہتے تھے کہ موصوف کے پاس کوئی آلہ ہے یا الہ دین کا چراغ ہے جس کے باعث انہوں نے اتنے ٹیلیفون کر ڈالے۔ اب تو نوبت یہ ہے کہ سلطان بشیر جب ایف ایم پر کال کرتے ہیں تو تمام اناؤنسر ان کی آواز پہچانتے ہیں انہیں ان کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔ گذشتہ دن جب انہوں نے ایف ایم پر ۱۵۰ کالیں کا ریکارڈ قائم کیا تو انہیں باقاعدہ ایف ایم پر سامعین کے مبارکباد کے فون موصول ہوئے۔ ایف ایم کے سامعین کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھ رہا ہے کہ ایک کروڑ آبادی کے شہر میں وہ اتنی کالیں کرنے میں کیسے کامیاب رہے جبکہ بعض لوگوں کی تو بمشکل ہی کوئی کال ہی نہیں لگ سکی ہے۔ سلطان بشیر اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ایم ایف سے گانا نشر ہونا شروع ہو تو گانا شروع ہونے کے ایک منٹ کے دوران آپ کی کال ملنے کی بہت زیادہ توقعات ہوتی ہیں اگر اس دوران آپ کی کال مل جاتی ہے مذکورہ صورت سے ہٹ کر اگر ڈائل کیا جائے تو فون کا اٹینڈ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے گانا شروع ہونے کے پہلے ایک منٹ کے دوران متواتر ڈائل کرتے رہیں۔ اس طرح فون کا ملنا خاصا آسان ہے۔ اس بات کا ثبوت سلطان بشیر نے باقاعدہ کال ملا کر پیش کیا۔ واضح رہے کہ سلطان بشیر بنیادی طور پر بزنس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے اپنی ٹیلیفون کالوں کا کیٹلاگ بنایا ہوا ہے جس پر تمام کال تاریخ وقت اور پروگرام کے میزبان کی آواز بھی ریکارڈ ہے۔ اس کے علاوہ ایف ایم کے دوسرے سننے والے سامعین کے تاثرات بھی ریکارڈ کئے ہوئے ہیں۔ ریکارڈ کالیں کرنے پر ایف ایم ان سے ایک انٹرویو بھی کرے گا۔

مطلب ہے میڈیم فریکونسی اور جسے آج کل پاکستان ریڈیو پر سُنا جارہا ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل برصغیر جنوبی ایشیا میں پہلا ریڈیو اسٹیشن ۱۹۲۰ء میں قائم ہوا۔ جو مدراس (بھارت) میں واقع تھا۔ بعدازاں بمبئی، کلکتہ، لاہور، پشاور، دہلی، لکھنؤ، ڈھاکہ اور حیدر آباد دکن میں ریڈیو اسٹیشن ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے وقت پاکستان کے حصّے میں صرف تین عدد ریڈیو اسٹیشن آئے جو لاہور، ڈھاکہ اور پشاور میں واقع تھے۔ پاکستان کے قیام کا اعلان لاہور سے کیا گیا اور اس وقت

پاکستان میں نشریات کے نظام کو "پاکستان براڈ کاسٹنگ سروس" کا نام دیا گیا۔

سید مصطفیٰ علی ہمدانی نے ۱۳ اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب کو ۱۲ بج کر ایک منٹ پر "یہ پاکستان براڈ کاسٹنگ سروس" کے الفاظ سے ریڈیو پاکستان کے پروگرام کا آغاز کیا اس طرح انہیں ریڈیو پاکستان کے پہلے اناؤنسر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا بعدازاں پاکستانی براڈ کاسٹنگ سروس سے قاری زاہر قاسمی کی تلاوت قرآن پاک نشر کی گئی جس کے کچھ دیر بعد مسعود تابش (مشہور شاعر تابش دھلوی) نے خبریں پڑھیں اور اس طرح قاری زاہر قاسمی ریڈیو پاکستان کے پہلے قاری اور تابش دھلوی پہلے نیوز ریڈر قرار پائے۔

قیام پاکستان کے وقت دارالحکومت چونکہ کراچی تھا اور یہ ریڈیو اسٹیشن کی سہولت سے محروم تھا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں ساحل سمندر کے قریب واقع ایک سرکاری ادارے کی عمارت انٹیلی جنس اسکول میں عارضی طور پر ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا۔ کراچی ریڈیو اسٹیشن کے پہلے ڈائریکٹر جناب زیڈ ۔ اے ۔ بخاری تھی۔ بعدازاں اس اسٹیشن کو ایم ۔ اے جناح روڈ پر واقع ایک عالی شان عمارت میں منتقل کردیا گیا اور یہ آج تک وہیں کام کررہا ہے۔ ریڈیو کراچی کے بعد کوئٹہ، حیدر آباد، راج شاہی، چٹاگانگ (بنگلہ دیش) میں ریڈیو اسٹیشن قائم کیئے گئے اور اس طرح اب پاکستان میں تقریباً" ۱۹ عدد ریڈیو اسٹیشن ہیں ان میں سے کچھ اسٹیشن دنیا کی مختلف زبانوں میں پروگرام بیرون دنیا کے لئے بھی نشر کرتے ہیں...... پاکستان ریڈیو پاکستان کے لئے ایک سفیر کا کام کررہا ہے۔

۱۹۶۴ء میں پاکستان ٹیلی وژن کی باقاعدہ نشریات کے بعد ریڈیو محض ایک آرائشی ڈبہ رہ گیا تھا۔

ایف ایم کی کہانی

۲۳ مارچ ۱۹۹۵ء کو "السّلام علیکم پاکستان" کی آواز گونجی یہ (FM100) کی نشریات تھی جو ایک پرائیوٹ ادارے کے توسط سے پیش کی جارہی ہے۔ ہر ایجاد کے اچھے اور برے پہلو ہوتے ہی ہیں۔ مگر پاکستان میں الیکٹرونک میڈیا کو اچھے پہلو پر کم ہی چلایا گیا ہے۔ گویا عوام الناس جو چاہتے ہیں اس سے پہلو تہی کی جاتی ہے۔ اس طرح کے ریڈیو چینل سنگاپور، جرمنی، لندن، وغیرہ میں ہیں اس وقت سعودیہ کا مخصوص چینل سامعین کو بہترین مواد دے رہا ہے۔ FM100 جو شروع ہوا ہے بے حد مختصر دینی و مذہبی پروگرام اور بے انتہا موسیقی کے پروگرام دے رہا ہے یہ ریڈیو

چینل 24 گھنٹے چل رہا ہے مگر اس میں سے موسیقی نکال دیں تو یہ بمشکل چند گھنٹے چلے۔ تاہم اس پروگرام کی ایک اچھی بات یہ ہے کہ پاکستان کے اوپر سلامتی بھیجنے (السلام علیکم پاکستان) کی دعا کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح FM100 سے فون.... کا مسئلہ ہے جس میں زیادہ تر لوگوں کا وقت اور پیسے کا زیاں ہے۔

سلطان بشیر کون ہیں؟

ایک عجیب و غریب بات آپ کو بتاتے چلیں کہ باوجود موسیقی کے پروگراموں کی بھرمار کے FM100 میں ایک مخصوص نمبر ملا کر آپ نے بات کرنی ہوتی ہے اور بیک وقت بے شمار سامعین نمبر ملا رہے ہوتے ہیں وقت بھی محدود ہوتا ہے۔ فون کا محکمہ بھی تعاون نہیں کرتا لیکن اس کے بیچ ایک ٹیلیفون کالر ہیں........ سلطان بشیر صاحب جو اب تک FM پر ٹیلیفون کالز کی ڈبل سینچری بنا چکے ہیں جن کی تعداد تقریباً ۲۵۰ سے زیادہ ہے اور پاکستان میں خصوصاً کراچی کے اخبارات میں ان کا نام چھپ رہا ہے وہ اس وقت تک ریکارڈ کالز کر چکے ہیں۔

سلطان بشیر صاحب بنیادی طور پر کاروبار سے وابستہ ہیں لیکن کاروباری مصروفیات کے باوجود انہیں معلوماتی کتابیں رسائل، اخبارات پڑھنے کا بے حد شوق ہے اس کے علاوہ وہ ریڈیو

سلطان بشیر بولکا کے عشرت حسن سے انعام وصول کرتے ہوئے!

اور ٹی وی کے مختلف مقابلوں میں بھی حصہ لیتے ہیں اور اب تک بے شمار انعامات جیت چکے ہیں۔ ان کے انعامات کی تعداد ۵۵۰ ہے جن میں سے ۶۰ کے قریب انعامات انہوں نے ایف ایم ہنڈرڈ پر جیتے ہیں۔

کراچی جیسے ایک کروڑ آبادی والے شہر میں وہ ایف ایم پر کال کس طرح سے ملا لیتے ہیں، اس بارے میں وہ بتاتے ہیں کہ ایف ایم ہنڈرڈ کی ٹیم ہر دو کال کے بعد جب گیت شروع کرتی ہے تو ٹھیک ایک منٹ کے اندر اندر آپ کی کال مل جاتی ہے تو وہ آپ کو ہولڈ کروا دیتے ہیں یاد رہے کہ ایف ایم کی ۹۰ لائنیں ہیں۔ گیت شروع ہونے کے ایک منٹ بعد اگر آپ کی کال مل بھی جائے تو ۳۶ گھنٹوں کے بعد خود ہی ڈیڈ ہو جائے گی اس لئے گیت شروع ہوتے ہی ایک منٹ تک آپ متواتر ری ڈائل کرتے رہیں۔

سلطان بشیر صاحب نے اپنی کالوں کا کیٹلاگ

بھی بنایا ہوا ہے جس پر تمام کالز میزبان کے نام سے ریکارڈ کی ہیں۔

طالب علم ایف ایم ہنڈرڈ کے بارے میں کیا کہتے ہیں!

سروے: اویس ظریف

فائزہ اقبال آف الامنہ' کراچی۔ ایف ایم ہنڈرڈ کو سالگرہ مبارک۔ اگر موسیقی کے بجائے FM100 اسٹاف مثبت پروگرام خاص کر تعلیمی پروگرام پر محنت کرے تو خواندگی کی شرح میں اضافہ ہوسکتا ہے اور لوگوں میں علمی معلومات حاصل کرنے کا شوق بیدار کیا جاسکتا ہے۔

جویریہ' کراچی۔ ایف ایم ہنڈرڈ سُن کر لگتا ہے جیسے اللہ نے ہمیں صرف موسیقی سُننے کے لئے بنایا ہے۔ ایف ایم والوں سے گزارش ہے کہ وہ تعلیمی پروگرامز زیادہ سے زیادہ پیش کر -

ماریہ' کراچی۔ ایف ایم ہنڈرڈ سُننے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے پاس کتنا وقت ہے لیکن وقت تو اللہ کی امانت ہے جو لوگ اسے فضول کاموں میں ضائع کرتے ہیں انہیں ایک دن اللہ کے ہاں اس کا حساب دینا ہوگا۔

حسن حماد' کراچی۔ صرف ایک بات اچھی ہے کہ پاکستان کو سلامتی ۲۴ گھنٹے ملتی.... رہتی ہے۔ باقی

○ ...... دانا شخص حوالے کے لئے بہترین لائبریریاں قائم رکھتے ہیں۔
(رابرٹ ماسک۔)

○ ...... جو شخص ایک اچھی کتاب کو تباہ کرتا ہے وہ عقل و خرد کا خون کرتا ہے۔
(ملٹن)

○ ...... چند دن کی نیکیوں سے جنت نہ ملے گی بلکہ نیک نیتی کے ذریعے حاصل ہوگی۔
(امام حسن بصریؒ)

○ ...... مومن نہ لعن طعن کیا کرتا ہے نہ بے حیائی نہ فحش گوئی۔
(ابنِ مسعود)

○ ...... اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو شیر کی کھال کھینچ سکتی ہیں۔
(شیخ سعدیؒ)

مرسلہ ...... اسما بدر، کراچی

اسپورٹس اور خصوصی معلوماتی پروگرامز کے ذریعے معلومات اچھی ملتی ہیں مگر اس میں موسیقی اور بے ڈھنگے گانوں کی بھرمار ہے جو ایک مُسلم معاشرے کو زیب نہیں دیتا۔

اظفر اللہ خان' کراچی۔ ایف ایم ہنڈرڈ سے موسیقی نکال دیں تو گویا ریڈیو بند ہے۔ اس چینل پر آٹے میں نمک کے برابر اچھے اور مثبت پروگرام ہوتے ہیں۔

احمد معاذ' کراچی۔ مجھے قرآت کا بے حد شوق ہے میری خواہش ہے کہ ایم ایف ہنڈرڈ اپنے اس چینل سے قرآت کے مقابلے نشر کرے تاکہ لوگوں کی قُرآن سے رغبت بڑھے۔

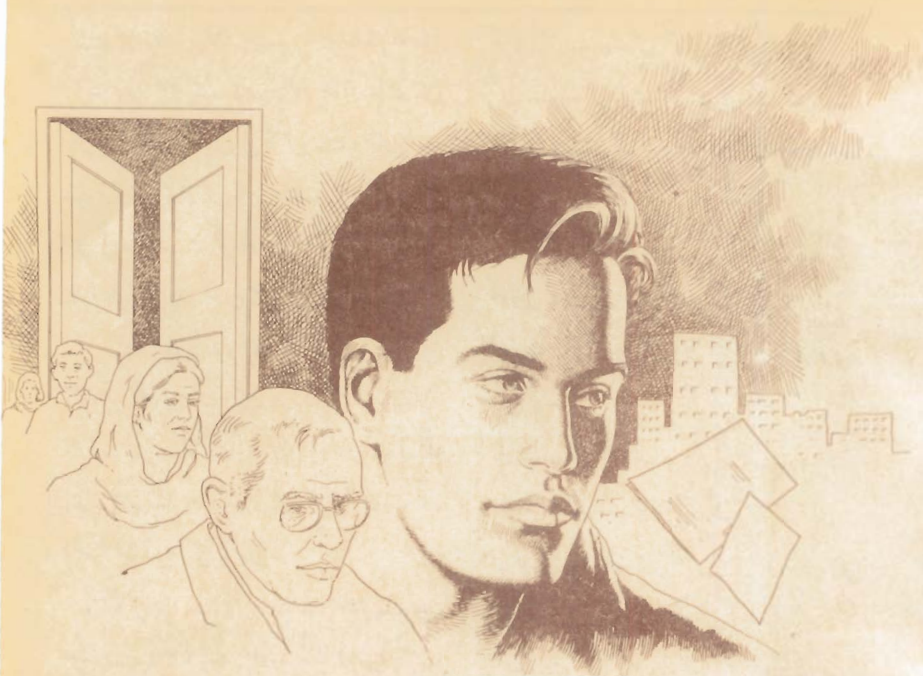

جاؤ نوکری کرو

الطاف حسین

وقت کے ساتھ ساتھ دھیرے دھیرے قطار سرکتی رہی اور ہمیں ایک بجے "ان" کے در تک رسائی نصیب ہوئی۔

"ابے ٹھہر .... بہت جلدی ہے کیا؟....... دیکھتا نہیں ایک ابھی اندر ہے!" ہم نے جیسے ہی اندر جانے کے لئے قدم آگے بڑھایا۔ دفتر کے باہر تعینات مخروطی شکل والے چپڑاسی نے "اخلاق" کا مظاہرہ کیا۔ اس کے لہجے سے افسر سے قربت کا "نمرودی غرور" جھلک رہا تھا۔

"جاہل کی بات کو برداشت کرنا عقل کو زکوۃ دینا ہے" غصے سے بل کھاتے ہوئے ہمیں اچانک ایک دانش مند کا قول یاد آگیا۔ نتیجتاً ہم صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

خیالات کا سلسلہ کچھ دیر اور چلتا کہ اچانک دفتر کی چق اٹھی اور ایک امیدوار اپنی کپکپاتی ٹانگوں کو

گھسیٹتے ہوئے باہر نکلا چہرے پر گھبراہٹ طاری تھی۔ پورا جسم پسینے سے شرابور تھا اور ہاتھ میں پکڑی کارہائے نمایاں کی فائل سے دستاویزات بے ترتیب انداز میں باہر جھانک رہی تھیں۔ ہم اس کی حالت سے کلی طور پر "متاثر" ہوئے اور ہمارا حال بھی چند لمحوں میں اس جیسا ہوگیا۔

"چلو میاں! جاؤ اندر" شیدے نے ہمیں معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے حکم دیا۔ جواباً ہم نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور بے ڈھنگے انداز میں چلتے ہوئے دفتر میں "انٹر" ہوئے اور افسر کو اپنا "ویو" پیش کردیا۔

"اس ... . اس .... سلام .. .. علیہ ....کم" نے تھوک نگلتے ہوئے تیس نیکیاں حاصل کیں۔

افسر نے سر کی ہلکی سے جنبش سے سلام کا جواب دیا اور پھر سر اور آنکھوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیں اپنے "روبرو" بیٹھنے کا "سگنل" دیا۔

ایک طرف موصوف کی چبھتی ہوئی نظریں تھیں اور دوسری طرف ہم اپنی "گھبریلی" طبیعت اور لرزتی ٹانگوں سے برسرپیکار تھے۔ لیکن صاحب امتحان، امتحان ہی ہوتا ہے نہ گھبراہٹ کم ہوئی نہ ٹانگوں نے لرزنے سے "توبہ" کی اور نہ ہی دھڑکتے دل کو قرار آیا۔

"ڈرو نہیں.........میں تمہیں کھا تو نہیں رہا!"

"نن .... نن .... نہیں ... . سر.... .... وہ آپ ...." ہم نے گڑبڑا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بھئی کہہ جو دیا .... کہ .... نہیں کھاؤں گا.........اب انٹرویو کے لئے تیار ہو؟" افسر نے اپنی "آدم خوری" کی نفی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"جی.........جی ہاں ....جی ہاں .... تت. .... تت .... تیار ہوں جی"

"یہ لو .... کاغذ اور قلم .... جو سوال میں بولوں گا......... تم نے اسکو حل کرنا ہے"

"ٹھیک ہے سر!" ہم نے کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ایک شخص کے دو لاکھ روپے بینک میں جمع ہیں۔ سال گزرنے پر یکم رمضان کو بینک اس رقم پر بعد از منافع کتنے روپے زکوۃ کی مد میں منہا کرے گا" افسر کے سوال پر ہم نے چند لمحے سوچا اور پھر تیزی سے کاغذ پر جواب لکھ دیا۔

"جناب بینک ایسا نہیں کرسکے گا .... اس کی "کٹاؤ پالیسی" دھری کی دھری رہ جائے گی......... کیونکہ وہ شخص اپنی ساری رقم یکم رمضان سے قبل ہی اپنے کھاتے سے نکلوالے گا!"

"ہائیں یہ جواب ہے میرے سوال کا!........اف مائی گاڈ!" افسر نے ہمارا "نثری جواب" جو پڑھا تو غصہ سے اپنا ہی سر پیٹ لیا۔

"سر ہمارے ایک دوست بینک میں ملازم ہیں........یہ حقیقت ہمیں انہی کی زبانی معلوم ہوئی ہے ہم نے وضاحت کی۔

"نان سینس! ڈاونٹ بی سلی........اینڈ ڈاونٹ ٹرائے ٹو فری ود می" افسر نے انگریزی جھاڑتے ہوئے ہمیں "حد ادب" میں رہنے کی تنبیہہ کی۔ لیکن چند ہی لمحوں بعد ان کے ماتھے پر بننے والے "نشیب و فراز" نے ہموار سطح کی صورت اختیار کرلی۔

"جی ہاں........کیوں نہیں........میں لوڈو کا ایکسپرٹ پلیئر ہوں........پرسوں کی بات ہے میں نے اپنے کزن شفیق کو دو "سوکھی" اور چار "گیلی" بازیاں ہرا کر روسٹ مرغی اڑائی ہے!"

احمق! میں سوال کیا کرتا ہوں اور تم جواب کیا دیتے ہو........اگر ہم نے تمہیں یو ڈی سی بھرتی کرلیا تو محکمہ کو چند دنوں میں دیوالیہ ہونے سے کوئی نہیں بچاسکے گا۔

"سر آپ نے گیم کے بارے میں پوچھا تھا........جو گیم میں کھیلتا ہوں........میں نے سچ سچ بتادیا ہے........سر کیا لوڈو گیم نہیں ہے" ہم نے وضاحت چاہی۔

"ہاں ہے تو سہی!" افسر نے نہ چاہتے ہوئے بھی اقرار کرلیا۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہارے مشاغل کیا کیا ہیں؟"

"سر ایک مشغلہ ہو تو آپ کو بتاؤں........میں نے بیک وقت کئی مشغلے پال رکھے ہیں۔"

"مثلاً کیا کیا؟" افسر نے پر تجسس انداز میں پوچھا۔

"کیری کیچرز اور کارٹون جمع کرنا، بسوں اور منی بسوں میں اوور رائیڈنگ کرنا، دوکان پر خریداری کرتے ہوؤں کے پیچھے دُم باندھنا........شرارتیں کرنا، روڈ ماسٹری ...."

"تم جاسکتے ہو! تم .... تم .... اس پوسٹ کے لئے........قطعی طور پر........ان فٹ ہو...... .... آئی سے ....یو کین گووووو.
.... " یہ آخری اسپارک تھا۔ جس کی تاب نہ لاتے ہوئے ہم خاموشی سے اٹھے نظر بھر کر غصے سے ادھر موٹے ہوتے ہوئے افسر کو دیکھا پھر تیزی سے چلتے ہوئے دفتر سے باہر نکل آئے۔ اب بھی تقریباً چار درجن مستقبل کے معمار قطار میں کھڑے "امید" پر "واری" ہونے کے اس قول کی با آواز بلند تائید کرتے ہوئے مین گیٹ سے باہر نکل آئے کہ

"واقعی نوکری کرنا آسان لیکن اسے تلاش کرنا بہت مشکل ہے!!!"

پانی زندگی ہے

ہما صابر

پانی کے بغیر زندگی کا تصور محال ہے۔ انسان غذا کے بغیر تقریباً" دو ماہ زندہ رہ سکتا ہے مگر پانی کے بغیر زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہا جاسکتا' کیونکہ پانی ایک ایسا قدرتی سیال ہے جس کی بدولت جسم کے ان گنت نظام دن رات کام کرتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر ہاور ڈفلیکس کہتے ہیں کہ اگر مناسب مقدار میں پانی نہ پیا جائے تو انسانی جسم کے تمام اعضا اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ جسم کی ضروریات کے مطابق پانی نہ پی کر بہت سے لوگ اپنے جسم پر چربی چڑھالیتے ہیں۔ ان کے عضلات کمزور پڑجاتے ہیں' نظامِ ہضم خراب ہوجاتا ہے۔ جسم میں زہریلے مادے تیزی سے پروان چڑھنے لگتے ہیں۔ جوڑ اور پٹھے دکھنے لگتے ہیں۔ نیز

اور بھی کئی خرابیوں کو راہ ملتی ہے۔

اگر آپ مناسب مقدار میں پانی نہیں پیتے تو آپ کا جسم اس کی تلافی کے لئے پہلے سے موجود پانی کو اپنے اندر روک لے گا اور یہیں سے مختلف بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

ڈاکٹر فلیکس کے مطابق ایک صحت مند انسان کو روزانہ آٹھ آٹھ اونس پانی کے کم از کم آٹھ دس گلاس ضرور پینے چاہئیں۔ زیادہ ورزش یا بہت مشقت کرنے یا گرم ماحول میں رہنے والوں کو اس سے بھی زیادہ پانی پینا چاہئے۔ موٹاپا دور کرنے اور وزن کم کرنے کے لئے بھی پانی کی مقدار بڑھانی پڑے گی۔ ایک ایتھلیٹ کو جس کا وزن ایک سو ساٹھ پاؤنڈ ہو' تیرہ سے چودہ گلاس پانی کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ اتنا ہی وزن رکھنے والے اور کم مشقت کے عادی افراد کے لئے آٹھ دس گلاس کافی رہتے ہیں اور ہاں یاد رکھئے یہ پانی کے آٹھ دس گلاس ایک ہی نشست میں غٹاغٹ پیٹ میں نہیں انڈیلنے بلکہ صبح سے شام تک کے مختلف اوقات میں آپ اس تعداد کو پورا کریں گے۔

پانی کی کمی کی وجہ سے فضلات کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ جو ہمیں موت سے بھی ہمکنار کر سکتی ہے جب گردے' یورک ایسڈ اور یوریا کو الگ کرتے ہیں تو یہ پانی میں حل ہو جاتے ہیں اور اگر ہمارے جسم کے اندر مناسب مقدار میں پانی نہ ہو تو یہ فضلات موثر طریقے سے خارج نہیں ہو سکتے۔ اور پھر یہی بات گردوں میں پتھری کا سبب بنتی ہے۔

نظامِ ہضم کو درست رکھنے اور غذا کو جزو بدن بنانے میں بھی پانی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ہضم شدہ غذا اور آکسیجن کو خون کے ذریعے جسم کے خلیوں تک پہنچاتا ہے اور ساتھ ساتھ پسینے کے ذریعے جسم کو ٹھنڈا رکھنے میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے پانی ہمارے عضلات میں لچک برقرار رکھتا ہے۔ جس کے سبب اعضاء آزادی سے حرکت کرتے ہیں۔

پانی جسم کی پرورش کرنے کے علاوہ محرک اثر بھی رکھتا ہے' لیکن اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ الکحل والے مشروبات کی طرح جسم کو کمزور نہیں کرتا۔ جب ہم ایک گلاس پانی پیتے ہیں تو وہ دل کی حرکت کو بڑھا دیتا ہے اور خون کا دوران زیادہ صفائی سے ہونے لگتا ہے جس سے تمام جسم میں فرحت اور تازگی آجاتی ہے۔

ڈاکٹر جارج ایس کیتھ لکھتے ہیں کہ پانی کو ہم دوا بھی خیال کرسکتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم کی خوب صفائی کرتا ہے اور یہ بات ہاضمے کے لئے بہت مفید ہے۔

آخری حصہ

الطاف حسین

استنبول

علم وادب کا گہوارہ

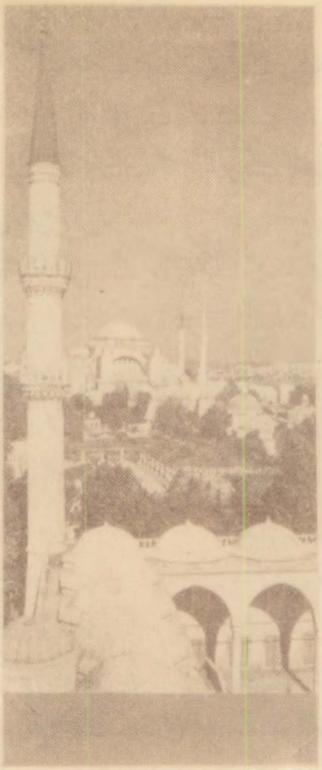

جسے دیکھنے کے بعد ممکن ہے آپ کے قدم واپسی کا راستہ بھول جائیں!! سلطان نے عیسائی کلیسا صوفیہ (جسے ۳۶۰ء میں قسطنطین کے بیٹے قسطنطیونس نے تعمیر کرایا تھا) میں فتح کے دن نماز ادا کی اور اسے مسجد میں تبدیل کرنے کا حکم جاری کیا۔ ۱۹۳۴ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک کے ایک حکم کے تحت ۴۸۲ سال تک مسلمانوں کی عبادت گاہ رہنے والی اس مسجد کو "بزنطین میوزیم" میں تبدیل کردیا گیا۔

عثمانی سلاطین کی ایک اور اہم یادگار "توپ کاپی پیلس" ہے۔ آج کل اس وسیع وعریض محل میں ترکی کا سب سے بڑا عجائب گھر قائم ہے۔ جو کئی حصوں پر مشتمل ہے۔ یہاں رومی، بزنطینی اور عثمانی عہد کی لاکھوں قیمتی اور نادر و نایاب اشیا رکھی گئی ہیں۔ اس میوزیم کا ایک حصہ "خرقہ، سعادت" کہلاتا ہے۔ جس میں حضورؐ کا لبادہ مُبارک، تلوار، مہرِ نبوت، دندانِ مبارک، موئے مُبارک قدم مبارک کا نشان اور آپؐ کا وہ خط بھی رکھا گیا ہے جو آپؐ نے مصر کے شاہ مقوقس کے نام ارسال کیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر بہت سے تبرکات، حجراسود کا فریم اور خلفائے راشدینؓ کی تلواریں بھی اس حصہ کی زینت ہیں۔ میوزیم کے ایک گوشے میں عثمانی سلاطین کے تخت و تاج، شاہی لباس، شاہی بیگمات کے ہیرے جواہرات اور مختلف ممالک کے بادشاہوں کی طرف سے بھیجے جانے والے قیمتی تحائف وغیرہ رکھے گئے ہیں۔ توپ کاپی لائبریری بھی

دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں عربی ترکی اور فارسی زبانوں کی تقریباً ۲۰ ہزار قدیم کتابیں، مخطوطات، قلمی نسخے اور قرآنی خطاطی کے انتہائی دیدہ زیب نمونے رکھے گئے ہیں۔ ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں جن کا دنیا میں اس وقت ایک ہی نسخہ موجود ہے اور وہ اسی کتب خانے میں ہے۔

"باب ملی میوزیم" میں ترکی کی تمام قومی دستاویزات نمائش کے لئے رکھی گئی ہیں۔ اوقاف میوزیم اور جامع سلیمانیہ کا عجائب خانہ استنبول کی دوسری مشہور نمائش گاہیں ہیں۔ یلدرم محل، بلیربے محل، بایزید فورٹ، قلعہ رومیلی حصار اور قلعہ ایادلوحصار عہد عثمانی کی دیگر قابل دید یادگاریں ہیں۔ ناقابل فراموش "باسفورس" استنبول کی اصل رونق ہے۔ اس سے نکلنے والی ایک قدرتی نہر شاخ زریں کہلاتی ہے۔ جو براعظم ایشیا اور یورپ کو دو حصوں غلطہ اور پیرا میں تقسیم کرتی ہے۔ اسی مقام پر استنبول پورٹ قائم کی گئی ہے۔ جو دنیا کی مصروف ترین تجارتی بندرگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہاں سارا سال مختلف ممالک کے تجارتی بحری جہازوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دنیا کی اس اہم آبی گزرگاہ سے اوسطاً ہر ماہ ۳۰۰۰ سے زائد جہاز گزرتے ہیں۔ اس تعداد میں ترکی کے اپنے جہاز شامل نہیں۔ اسی آبنائے باسفورس کے کنارے ترکی کے اس مشہور امیرالبحر خیرالدین باربروسہ کا باوقار مجسمہ بنایا گیا ہے۔ جس کے نام سے ہی یورپ کی بڑی بڑی بحریہ کانپ اٹھتی تھیں اس کے نزدیک ہی عظیم الشان "دولماباغچی محل" واقع ہے۔ محل کے اندر جابجا خوبصورت تصویریں آویزاں ہیں۔ جن میں قدیم تاریخ مناظر و واقعات اور خصوصاً ترکی فوج کو مختلف اقوام سے جنگ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ سلطان محمد فاتح کے شہر میں داخل ہونے کی کئی تصویروں کے علاوہ یورپی حکمرانوں کی طرف سے بطور تحفہ دی جانے والی متعدد تصویریں بھی لگائی گئی ہیں۔ اسی محل کے ایک کمرے میں ۱۰ نومبر ۱۹۳۸ء کو جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال پاشا کا انتقال ہوا تھا۔

استنبول ایک اور چیز جو آپ کو متاثر کردے گی۔ اس کا نام ہے "باسفورس برج"! ۱۹۷۳ء میں آبنائے باسفورس پر تعمیر کیا جانے والا یہ پل دنیا کے ۱۲ معلق سمندر پلوں میں سب سے بڑا ہے۔ اس کی لمبائی ۱.۷ کلومیٹر اور سمندر سے اونچائی ۶۴ میٹر ہے۔ بلاشبہ یہ جدید انجینئرنگ کا ایک انتہائی حیران کن کارنامہ ہے۔ جس کے باعث یورپ و ایشیا کے درمیان تیز رفتار رابطہ قائم ہوا۔ اس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یورپ سے ایشیا میں داخل ہونے والی گاڑیاں

چونگی (ٹیکس) سے مستثنیٰ ہوتی ہیں لیکن واپس یورپ میں داخل ہوتے وقت انہیں چونگی ادا کرنا پڑتی ہے۔

ترک لوگ عالم اور علم کی بہت قدر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سو فیصد تعلیم کو فرض اور حق سمجھا جاتا ہے۔ استنبول میں ہزاروں کی تعداد میں اسکول قائم کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد کالج، ٹیکنیکل ادارے اور ایک بڑی یونیورسٹی "استنبول یونیورسٹی" کے نام سے قائم ہے۔ شرح خواندگی کا تناسب ۶۵ فیصد ہے اور اسکول میں زیرِ تعلیم ہر ۵۶ بچوں کی تربیت کے لئے ایک استاد موجود ہے۔ مطالعہ کے شائقین کے لئے شہر میں جگہ جگہ لائبریریاں موجود ہیں۔ سلیمانیہ لائبریری اپنے مخطوطات کے عظیم ذخیرے اور تقریباً ایک لاکھ سے زائد قلمی نسخوں کے خزانے کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہے۔

استنبول نے صنعتی میدان میں بھی قابل ذکر ترقی کی ہے۔ یہاں ریشمی، اونی اور سوتی کپڑا، سیمنٹ، شیشہ، کاغذ، چینی اور فولاد اور چمڑے کی مصنوعات تیار کرنے کے بے شمار کارخانے کام کررہے ہیں۔

آبادی کا ۶۰ فیصد حصہ کھیتی باڑی اور گلہ بانی کے پیشوں سے وابستہ ہے۔ شہر کے دیہی علاقوں میں کافی تعداد میں سرسبز و شاداب چراگاہیں بنائی گئی ہیں۔ یہاں کی اہم زرعی اجناس میں مکئی، چاول، گیہوں، کپاس، تمباکو، چائے، زیتون کے بیج اور سبزیاں شامل ہیں۔ ۲۰ اقسام کے پھلوں میں سنگترا، انگور اور سیب کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

استنبول کے بازاروں میں ابھی تک قدیم عہد کی جھلک باقی ہے۔ یہاں کے بازاروں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی تعمیر کے دوران اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ گاہکوں اور دوکانداروں کو خرید و فروخت میں آسانی ہو۔ ۵۰ ایکڑ رقبے میں پھیلا ہوا چھت دار "گرانڈ بازار" استنبول کا سب سے بڑا اور مشہور شاپنگ سینٹر ہے۔ یہاں آپ کو دنیا بھر کی چیزیں دیکھنے کو ملیں گی۔ چار ہزار دوکانوں پر مشتمل یہ بازار ۱۴۶۱ء میں سلطان محمد فاتح نے قائم کیا تھا۔

آپ پورے استنبول کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں تو "فیری بوٹس" کے ذریعے آپ کو ملکا کی پہاڑیوں تک جانا ہوگا۔ جہاں سے خوبصورت استنبول اور ناقابل فراموش باسفورس کا انتہائی دلکش اور سحر انگیز نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ خصوصاً طلوع آفتاب کے وقت سنہری کرنوں کی روشنی میں باسفورس برج اور اس کے نیچے بہتے بحری جہازوں کی آمدورفت سے متحرک پانی میں استنبول کا عکس دنیا کا حسین ترین منظر پیش کرتا ہے۔ جسے دیکھنے کے بعد ممکن ہے کہ آپ کے قدم واپسی کا رستہ بھول جائیں!!!

نادیہ کوثر

نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا

○ مُسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مُسلمان محفوظ رہیں۔ (بُخاری)

○ مُسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے قطع تعلق رکھے (بخاری و مُسلم)

○ مسلمان بھائی کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کُفر ہے۔ (بُخاری و مُسلم)

○ چُغل خور جنّت میں کبھی داخل نہ ہو گا۔ (بُخاری و مسلم)

○ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔ (ابنِ ماجہ)

○ تکبّر کرنے والا جنّت میں داخل نہ ہو گا۔ (ابو داوٗد)

○ جو اپنی زبان قابو میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو چھُپالیتا ہے۔ (طبرانی)

○ صفائی رکھا کرو کیونکہ اسلام صاف اور پاکیزہ ہے۔ (ابنِ ماجہ)

○ دُنیا میں دوغلاپن رکھنے والوں کے منہ میں قیامت کے دن آگ ہوگی۔ (طبرانی)

○ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ (ابو داوٗد)

○ جو اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہے وہ پڑوسی کا خیال رکھے اور عزّت کرے۔ (مسندِ احمد)

○ کامل ایمان ان کا ہے جن کے اخلاق پسندیدہ ہیں۔ (بُخاری و مُسلم)

○ امانتدار تاجر قیامت میں نبیوں، صِدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ (بُخاری)

○ مزدور کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ (ابنِ ماجہ)

○ ایک دوسرے کو اچھے نام سے یاد کرو اور بُرے نام سے نہ پکارو۔ (مُسلم)

○ جس نے نیکی کی طرف رہنمائی کی اس کے لئے بھی اتنا ثواب ہے جتنا نیکی کرنے والے پر۔ (مُسلم)

○ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا، بہترین جہاد ہے۔ (ابوداوٗد)

○ کھاؤ، پہنو اور صدقہ کرو مگر اسراف سے بچو۔ (بُخاری)

○ اپنے ہاتھ کی کمائی ہوئی روزی سے کوئی روزی بہتر نہیں۔ (بُخاری)

○ جب بیمار کے پاس جاؤ تو اس کی درازیٔ عمر کے لئے دُعا کرو۔ (ترمذی)

مقابلہ معلوماتِ عامہ

صحابہ کرامؓ

سلسلہ نمبر ۳

صحابہ کرامؓ کی زندگی آنحضورؐ کی فیضانِ تربیت کا ثمر ہیں۔ یہ وہ مُقدّس گروہ ہے جس نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں پیارے نبی کریمؐ نے فرمایا : "میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔"

صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ زندگیوں کا مطالعہ اور ان کے بارے میں علمی معلومات حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

اس معلوماتی سلسلے کا تیسرا مقابلہ حاضرِ خدمت ہے۔ بالکل دُرست جوابات ارسال کرنے پر تین ساتھیوں کو آنکھ مچولی تین تین ماہ تک اعزازی روانہ کیا جائے گا۔ جوابات ارسال کرنے کی آخری تاریخ ۵ مئی ہے۔ اپنے جوابات اس پتے پر روانہ کیجئے :

انچارج مقابلہ معلوماتِ عامہ سلسلہ نمبر ۳، ماہنامہ آنکھ مچولی، ا۔ پی آئی بی کالونی، کراچی۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد کس صحابیؓ نے سب سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں؟

۲۔ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرنے سے قبل کس سورۃ کی تلاوت کی تھی؟

۳۔ بتایئے کون سے صحابیؓ اپنی "صادقہ" نامی نوٹ بک میں احادیث لکھا کرتے تھے؟

۴۔ کس صحابیؓ نے احادیث کا ایک مجموعہ لکھا جو ان کی تلوار کی نیام میں رکھا رہتا تھا؟

۵۔ سب سے زیادہ احادیث کن صحابیؓ سے مروی ہیں؟

۶۔ بتایئے خطوط پر سب سے پہلے کس صحابیؓ نے اسلامی تاریخ لکھی تھی؟

۷۔ خانۂ کعبہ میں سب سے پہلی اذان کس صحابیؓ رسول نے دی تھی؟

۸۔ کس صحابیؓ رسولؐ کو قرآن مجید کی تعلیم کا اس قدر ذوق و شوق تھا کہ ایک مرتبہ آنحضورؐ کے قدموں سے لپٹ گئے تھے کہ "یا رسول اللہ" مجھے سورہ ہُود و سورہ یوسف پڑھا دیجئے۔

مقابلہ معلوماتِ عامہ صحابہ کرامؓ سلسلہ نمبر۱ کے دُرست جوابات

۱۔ حضرت ابو بکر صِدیقؓ ۲۔ جُندب ۳۔ حضرت عُمر فاروقؓ ۴۔ حضرت زید بن حارثہؓ

۵ ۔ حضرت ابو بکر صِدیقؓ ۶۔ حضرت حسّانؓ بن ثابت کو ۷۔ حضرت مالکؓ بن وہیب نے

۸ ۔ حضرت ضرارؓ بن الازور

بذریعۂ قرعہ اندازی انعام حاصل کرنے والے تین خوش نصیب:

۱۔ مس راحت مسعود، کمالیہ ۲۔ مظفر حسین، خانیوال ۳۔ مس سدرہ عروج، ساہیوال

بالکل دُرست جوابات ارسال کرنے والے ساتھی:

طارق رفیق بھٹی، اوکاڑا۔ مظہر حسین چشتی، خانیوال۔ محمد فاروق منیر، لاہور۔ فہد احمد، پشاور۔ شہزاد محمود، حرا قندیل، مختار احمد عابد، محمد رمضان شاہد، محمد سلیم طاہر، حسن رضا، محمد بلال ڈوگر، محمد ظفر اللہ ضیا، محمد عمر شہزاد، محمد بشیر صدیقی، کمالیہ۔ سکینہ بی بی، ساہیوال۔ ارشد نواز، کوہاٹ شہر۔ محمد رحمت اللہ بشیر قادری۔ گجرات اِرمعہ جعفر، ڈیرہ اسماعیل خان۔ محمد قاسم، فوزیہ، فرح، صبیحہ حماد، اسماعیل، صبا، عابیہ امتیاز، اِرم، سیّد اخلاق حیدر، عرفان احمد صدیقی، کراچی۔

شیر جنگل کا بادشاہ ـــــ کوپن برائے مقابلہ انعامی سوالات

نام: ــــــــــــ اسکول کا نام: ــــــــــــ

مشاغل: ــــــــــــ

مکمل پتا: ــــــــــــ

اس مقابلے کے جوابات ارسال کرنے کی آخری تاریخ ۵ مئی ہے۔ اپنے جوابات اس پتے پر روانہ کیجیے
شیر جنگل کا بادشاہ (مقابلہ انعامی سوالات)
ماھنامہ آنکھ مچولی۔ 1۔ پی آئی بی کالونی کراچی۔ پوسٹ کوڈ (۷۴۸۰۰)

اخبار آنکھ مچولی

لعل بخش، کراچی

وہ چٹکی بجاتے سوال حل کرلیتا تھا

فرانس کا چارلس گرینڈ مینج (۱۸۹۵ - ۱۸۳۵ء) حیرت انگیز ذہانت کا مالک تھا۔ پیدائش کے وقت اس کا وزن صرف ایک پونڈ تھا اور اس کے ہاتھ پیر غائب تھے۔ اسے کئی ہفتوں تک ماں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا کہ کہیں وہ اسے دیکھ کر حواس نہ کھو بیٹھے لیکن قدرت نے چارلس کو زبردست دماغی صلاحیت سے نوازا تھا۔ اس نے ریاضی میں بڑا کمال پیدا کیا۔ ۱۴ سال کی عمر میں اس نے پورے یورپ کی سیاحت کی اور ریاضی داں کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ وہ لکڑی کے ایک فِٹ چوڑے بکس میں رہتا تھا اور حساب کے بڑے بڑے سوال چُٹکی بجاتے حل کرلیتا تھا۔

تیرتی ہوئی یونی ورسٹی

۱۹۷۰ء میں دنیا کی واحد تیرتی ہوئی یونی ورسٹی مشہور بحری جہاز کوئن الزبتھ میں قائم ہوئی ہے جو ہانگ کانگ میں ہے۔ اس کا نام "سی وائز میرین یونی ورسٹی" ہے

زبانوں کا ماہر

اِٹلی کے شہر بولوگنا کے مقامی باشندے جوزف کاسپر نے اپنی تمام زندگی مختلف زبانیں سیکھنے میں صرف کردی۔ اس نے ۱۱۴ زبانیں اور ۷۲ بولیاں سیکھیں۔ ۵۴ زبانوں میں اسے مہارت حاصل تھی۔ سب سے زیادہ عرصہ اسے چینی زبان سیکھنے میں لگا اور یہ طویل عرصہ چار ماہ کی مدت تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس نے اپنی تمام زندگی اٹلی میں گزاری۔

میٹرک ۸۲ سال میں

امریکا کے ایک شہر سینی گن میں ایک جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا، جس میں ایک ۸۲ سالہ بوڑھے نے میٹرک کی سند حاصل کی تو ہال تالیوں سے گُونج اُٹھا۔ تالیاں بجانے والوں میں اس کے سات بیٹے، چوبیس پوتے اور بارہ پڑپوتے شامل تھے۔ جو اپنی میٹرک کی اسناد لینے آئے تھے۔

بنام آنکھ مچولی

قارئین کے منتخب خطوط

جان محمد بلوچ، جمیل احمد سانگ، گوادر مارچ کا شمارہ خوبصورت سرورق، دلچسپ ہنستی گدگداتی کہانیوں، معلوماتی مضامین اور وطن سے محبّت میں ڈوبی نظموں سے سجا ہوا ملا۔ پڑھ کر بے حد مزا آیا۔ جاوید خالد صاحب کا مضمون ایک سچّے پاکستانی کی تصویر تھا۔ **ظہیر اختر، کھوٹہ راولپنڈی۔** آنکھ مچولی نے اس بار خوب آنکھ مچولی کھیلی اور ہم مارچ کے شمارے کی تلاش میں مارچ کرتے کرتے تھک کر چُور ہوگئے بہرحال شمارہ مل ہی گیا۔ سروق پر نظر پڑی تو غصّہ ہرن ہوگیا۔ تازہ شمارہ انتھک محنت کی ایک قابل تقلید مثال ہے۔ ''اُداس پرندے''، ''چراغ تلے''، ''جاؤ نوکری کرو'' اور ''پومی اور پونی کی کہانی'' بے حد پسند آئیں۔ محمد عادل منہاج کا انٹرویو اور ان کی کہانی بے حد اچھی رہی۔ ورلڈ کپ 96 پر خصوصی اشاعت ''استنبول'' اور ''بلب کی ایجاد'' بے حد معلوماتی مضامین تھے۔ **ملیحہ متین، کراچی۔** ''زندہ زمین'' بے حد مُتاثر کُن تھی اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ نظموں میں ''محبّت روشی ہے'' بہت ہی پیاری نظم تھی۔ ورلڈ کپ کے بارے میں خصوصی اشاعت اچھی تو تھی مگر کیا فائدہ ہم ورلڈ کپ تو ہار گئے۔ **سمیرا اقبال(؟)** سرورق اچھا لگا۔ کہانیوں میں ''چراغ تلے''، ''زندہ زمین''، ''جاؤ نوکری کرو'' پسند آئیں۔ ''تلاش'' نہایت عُمدہ مضمون تھا۔ **سراج اکبر آتش، پنجگور** ۔ مارچ کا شمارہ کافی دیر بعد

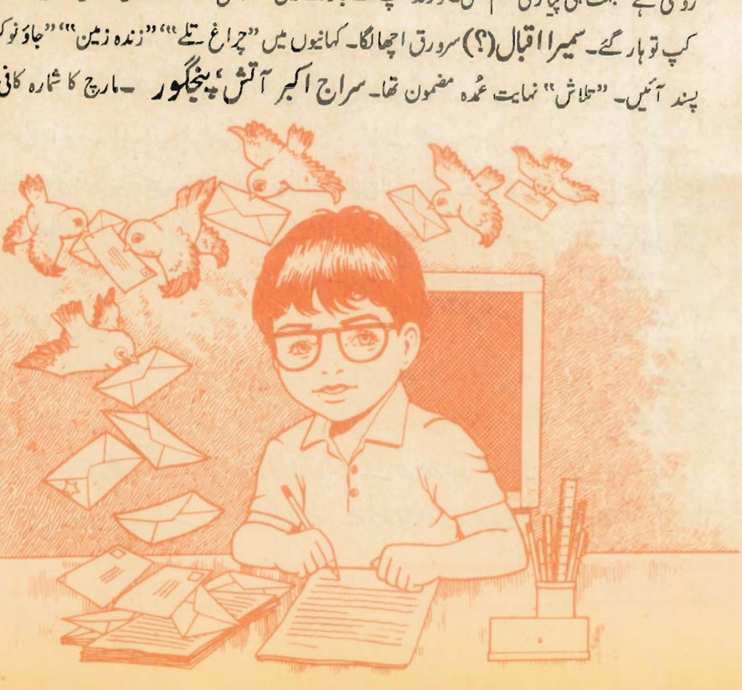

موصول ہوا۔ سرورق بہت ہی خوبصورت تھا۔ ورلڈ کپ سپلیمنٹ کے مضامین بے حد پسند آئے۔ **سمیرا قاسم، حیدر آباد۔** "چراغ تلے" "جاؤ نوکری کرو" "پومی اور پونی کی کہانی" بے حد اچھی کاوشیں تھیں۔ پورا رسالہ ایک ہی دن میں پڑھ ڈالا۔ **سلیم بالاچ، پسنی۔** یہ بات نہایت عمدہ ہے کہ بنام آنکھ مچولی میں تقریباً تمام ہی ساتھیوں کے خطوط شائع ہوتے ہیں پھر بھی کچھ ساتھی اس میں اپنے شہر کے ساتھیوں کے خطوط نہ چھپنے کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں خاص کر بلوچستان کے ساتھی۔ حالانکہ بلوچستان ہی کے ساتھی اس میں سب سے زیادہ چھپتے ہیں، انہیں ایڈیٹر صاحب سے سخت الفاظ میں شکوہ شکایت نہیں کرنا چاہئے۔ ○ ---ارے ارے سلیم بالاچ بھائی! آپ تو ہمارے پیارے پیارے ساتھیوں کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑ پڑے۔ بھائی! یہ شکوہ نہیں، محبّت کا ایک پیارا انداز ہے۔ **محمد اعظم آرائیں، ٹنڈو آدم۔** آنکھ مچولی کا مطالعہ کیا بے حد پسند آیا۔ **عبدالستار خان طاہر، بورے والا۔** اس دفعہ ... "سنہرے حروف" اے ون تھا۔ ادارے کا خیال سمجھنے والوں کے لئے کافی تھا اللہ پاکستانی قوم کو عقل عطا فرمائے۔ "اللہ ان سے راضی ہو" "تلاش" "تاریخ ساز دن" اور "ڈائنوسارز کی حکومت" معلوماتی اور فکر انگیز مضامین تھے۔ "اُداس پرندے" "چراغ تلے" اور "زندہ زمین" نے بے حد متاثر کیا۔ مقابلہ معلوماتِ عامہ سے بچوں کی اسلامی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ آپ نے میرا مضمون "بلب کی ایجاد کی حیرت انگیز کہانی" پورے ڈیڑھ سال بعد شائع کیا ہے۔ ○ ---اچھے بھائی عبدالستار! تفصیلی خط اور تبصرے کا بے حد شکریہ! آپ نے جن غلطیوں کی طرف توجہ دلائی ہے وہ نوٹ کرلی گئیں ہیں۔ مصروفیات کی وجہ سے آپ کو بذریعہ خط جوابِ ارسال نہ کرسکے جس کے لئے آپ سے معذرت خواہ ہیں! **محمد ثاقب حبیب، ضلع جہلم۔** "جگمگاتی راہ" ارسال کررہا ہوں آپ اسے اپریل میں شائع کردیجئے۔ ○ ---برادر! آپ کوئی اور دلچسپ اور معیاری تحریر ارسال کیجئے۔ **اکمل شاکر، پسنی (مکران)** مارچ کے شمارے میں راحت صلاح الدین کا انٹرویو پڑھنے کا موقع ملا جو پسند آیا۔ میں اپنی چھوٹی بہن کے لئے کچھ تحائف بھیجنا چاہتا ہوں۔ ○ ---ہم آپ کے پُر خلوص جذبے کی قدر کرتے ہیں۔ باہمت لکھاری راحت صلاح الدین کے لئے تحائف آنکھ مچولی کی معروفت بھیجے جاسکتے ہیں۔ **ضیا الحسن ضیا کراچی۔** فروری کے شمارے میں میری نظم "درخت" آپ نے شائع فرمائی لیکن مجھے اعزازی کاپی نہیں ملی۔ آپ جس محنت اور خلوص سے رسالہ ترتیب دیتے ہیں وہ قابلِ تحسین ہے۔ ○ ---محترم! اعزازی کاپی آپ کو دوبارہ بھیجی جارہی ہے۔ محبّتوں کا شکریہ! **محتشم حسن شمسی، کراچی۔** "خدا کی تلاش" کے نام سے ایک نظم بھیج رہا ہوں اپریل کے شمارے میں جگہ عنایت فرمائیں۔ ○ ---آپ کی نظم ابھی ہماری نظر... سے نہیں گزری ہے۔ **طارق گلاب، پشاور۔** مارچ کا شمارہ پسند آیا۔ کہانیاں اچھی تھیں۔ سرورق مزے دار تھا۔ **محمد عظیم شاکر، شورکوٹ۔** آنکھ مچولی میری زندگی کا ساتھی بن گیا ہے جب میں اس رسالے کو خرید تا ہوں تو دُنیا کے سب کام بھول کر اسے پڑھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ **نوین گل، پشاور۔** میں آنکھ مچولی

کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جس نے مجھے ایک سال کے لئے آنکھ مچولی کا تحفہ بھیجا۔ **احسان اللہ لغاری' سانگھڑ۔** آنکھ مچولی شوق سے پڑھتا ہوں۔ اس میں شامل نظمیں اور کہانیاں بڑی اچھی اور سبق آموز ہوتی ہیں۔ **ذلیخان سولنگی' گڈو۔** اس دفعہ آنکھ مچولی اپنی مثال آپ تھا۔ ورلڈ کپ کے حوالے سے خصوصی سپلیمنٹ پسند آیا۔ **عمران احمد خان' کراچی۔** سرورق بہت اچھا تھا تمام کہانیاں پسند آئیں آپ کوئی نیا قسط وار ناول شروع کیجئے۔ **بلال یوسف انصاری' گوجرانوالہ۔** فروری کا آنکھ مچولی ورلڈ کپ کے حوالے سے دلچسپی لئے ہوئے تھا۔ عمراحمد خان کی "آخری کھلاڑی" جیسی کہانی پڑھ کر پاکستانی ٹیم کے بکھرے ہوئے کھلاڑیوں کو متحد ہو جانا چاہئے۔ **سلطان وودو' پشاور۔** آنکھ مچولی پاکستانی بچوں کو صحت مند تفریحی ادب مہیا کر رہا ہے جو قابلِ ستائش بات ہے۔ **وقاص' لاہور کینٹ۔** آپ ہمارے لطائف کو انعامی لطائف میں شامل کریں تو بڑی مہربانی ہوگی۔

○ --- بھائی وقاص! آنکھ مچولی میں تحریریں اپنے معیار پر پورا اُترنے کے بعد شائع کی جاتی ہیں۔ انعامی لطیفہ کا سلسلہ معیاری اور دلچسپ لطائف نہ بھیجنے کی وجہ سے ختم کردیا گیا ہے۔ **صائمہ بتول' جامپور۔** آنکھ مچولی ایک خوبصورت اور معیاری رسالہ ہے اور مجھے بہت پسند ہے۔ **عاصمہ عروج غوری' شہدادپور۔** آنکھ مچولی ایسا رسالہ ہے جسے بچے بھی پڑھ سکتے ہیں اور بڑے بھی۔ **آصف حسن' کراچی۔** کراچی کے حالات کی صورتحال افسوس ناک ہے نفسانفسی کے اس دور میں "مظلوم بچے نمبر" کا اجراء ظلم کے خلاف آواز بن کر اُبھرے گا۔ **عبدالقدیر فراز' پنجگور۔** آنکھ مچولی کی کیا تعریف کروں کہ بے مثال ہے۔ ہر بچے کی زبان پر اسی کا نام ہے۔ **قیصر حمید نجم' جھنگ صدر۔** آپ نے میری تینوں کہانیاں شائع نہیں کی حالاں کہ میں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ آپ سے منہ موڑ لوں گا۔ ○ --- اچھے بچے منہ نہیں موڑتے اور ناراض بھی نہیں ہوتے بلکہ اچھے سے اچھا لکھ کر ایک دن اپنے آپ کو منوالیتے ہیں۔ **ساجد نور' پسنی (مکران)۔** فروری کا شمارہ ۴ تاریخ کو اور مارچ کا ۱۳ تاریخ کو ملا آپ سے تو شمارہ لیٹ کرنے پر جُرمانہ لینا چاہئے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ہم پسنی والوں کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ ○ --- اچھے بھائی! رسالہ دیر سے لانے پر ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔ ہم پسنی والوں کو نہیں بلکہ پسنی والے ہماری مجبوریوں کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ ہمیں پاکستان کے تمام بچوں سے یکساں محبّت ہے۔ **محمد حسن عارف خان' کراچی۔** مارچ کا شمارہ دیر سے ملا۔ سہیل عباس' محمد جاوید خالد' عثمان بن سلیم' الطاف حسین' محمد عادل منہاج اور شہزاد خان کستوری کی تحریریں اپنی مثال آپ تھیں۔ "استنبول" پر مضمون پڑھ کر وہاں جانے کی آرزو پیدا ہوئی۔ **محمد عبیداللہ' پشاور۔** صحابہ کرامؓ پر ایک سلسلہ شروع کرنا چاہتا ہوں کیا آپ اجازت دیں گے؟ اچھے بھائی عبید! آنکھ مچولی میں وقتاً فوقتاً صحابہ کرامؓ پر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جو ہم بچوں کے بڑے ادیبوں سے خاص طور پر لکھواتے ہیں۔

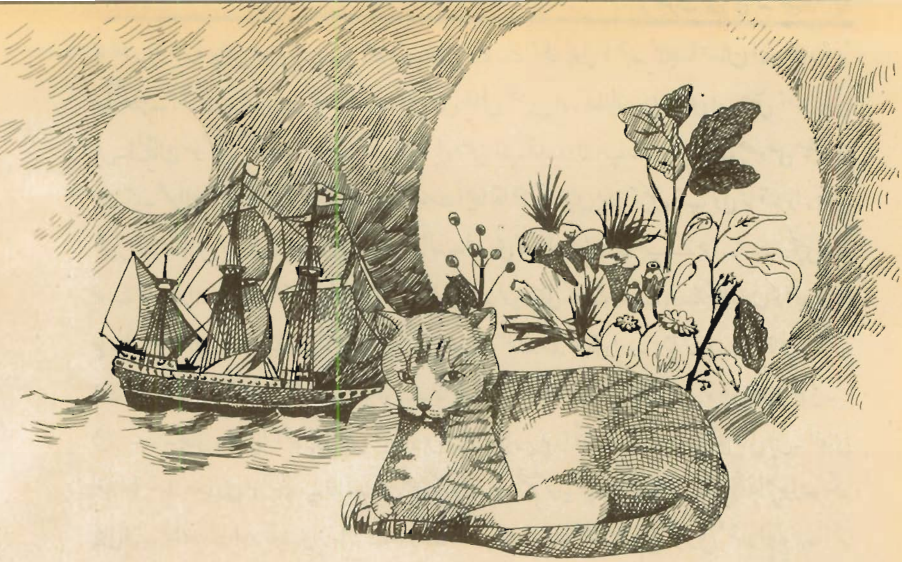

ریحانہ محبوب

بلّی، جہاز اور جڑی بوٹیاں

انسان نے کھیتی باڑی شروع کی تو غلّہ ذخیرہ کرنے کا مرحلہ سامنے آیا۔ بڑا مسئلہ چوہوں کا تھا۔ جو اناج کا اچھا خاصہ حصّہ ہڑپ کر جاتے تھے۔ یہی وقت تھا جب انسان کو چوہے، ختم کرنے کے لئے بلّی پالنے کا خیال آیا۔ بلّی واقعی بے حد مفید ثابت ہوئی۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ بلّی پالنے کا رواج سب سے پہلے افریقہ میں ہوا۔ مصر میں، سولہ سو سال قبلِ مسیح بلی پالنے کے آثار ملتے ہیں۔ بلی نے وہاں اپنی افادیت، اس حد تک تسلیم کرائی کہ مصریوں نے بلّی کی پُوجا شروع کردی۔ مقبروں اور دیواروں پر جنگلی بلّیوں کی تصاویر کثرت سے ملتی ہیں۔ وہاں بلی کو مارنے کی اجازت نہ تھی۔ مرنے پر بلی کو حنوط کر کے ممیاں بنائی جاتی اور بڑے اعزاز سے اسے مقبروں میں دفن کیا جاتا۔

مصر کے قدیم مقبروں کی کُھدائی شروع ہوئی

تو بلیوں کے مقبروں سے ٹنوں کے حساب سے حنوط شدہ بلیاں دستیاب ہوئیں۔ ایک انگریز تاجر انہیں جہاز میں لاد کر برطانیہ لے گیا جہاں کئی سال انہیں کھاد بنانے میں استعمال کیا گیا۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ساتویں صدی عیسوی سے مصر کی زبان عربی ہے اور عربی میں بلی کو قطتہ "مذکر قط" کہا جاتا ہے۔ اسی سے انگریزی کا لفظ 'کیٹ' نکلا ہے۔

ماہرین کے خیال میں برصغیر پاک و ہند میں بلّی پالنے کا آغاز تقریباً دو ہزار سال قبل ہوا۔ یہاں بھی مقصد خوراک کے ذخیروں کو چوہوں سے محفوظ رکھنا تھا۔

دو ہزار برس پُرانے جہاز کی بازیابی

یونان کے ساحل کے قریب سمندر کی تہہ میں ڈوبا ہوا ایک دو ہزار دوسو برس پُرانا جہاز دریافت ہوا۔ غوطہ خور اس کے ملبے سے سامان نکالنے میں مصروف ہیں۔ یہ سامان زیادہ تر باورچی خانے سے متعلق ہے۔ اب تک پانچ ہزار چیزیں نکالی جاچکی ہیں۔ ان میں اکثریت چمچوں اور مختلف قسم کے برتنوں کی ہے۔ سامان کی نوعیت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک تجارتی جہاز تھا۔ اب یہ معلوم کرنے کی کوشش جاری ہے کہ جہاز کس یونانی تاجر کا تھا اور کہاں جارہا تھا؟ اس سے اس زمانے کے جہازوں کی شکل اور جسامت کے بارے میں خاصی معلومات مل سکتی ہیں۔

سمندر کی تہہ میں ڈوبے اس جہاز کا علم تو دراصل ۱۹۷۵ء میں ہوگیا تھا، لیکن اس وقت ایسے آلات موجود نہ تھے جن سے جہاز تک پہنچنا اور سامان نکالنا ممکن ہوتا۔

جڑی بوٹیوں کا احیا

دنیا بھر میں جنگلات کا رقبہ کم ہونے سے کئی طرح کے خطرات محسوس کیے جارہے ہیں۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بہت سے دوائی پودے ناپید ہونے کا اندیشہ ہے۔ امریکی سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ دنیا کی اسی فیصد آبادی اب بھی روایتی دواؤں پر انحصار کرتی ہے۔ یہ دوائیں مختلف پودوں یا ان کے ست سے تیار ہوتی ہیں۔ پاناما اور اسی طرح کے دیگر قدیم علاقوں کی روایتی دواؤں کا تجزیہ کرکے ان کی افادیت کا نئے سرے سے تعین کیا جارہا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ جدید دواؤں میں سے ۷۳ فیصد کا انحصار انہی قدیم روایتی دواؤں پر ہے۔ مثلاً ملیریا بخار کی مشہور دوا کونین بھی ایک درخت سنکونا کی چھال سے تیار کی جاتی ہے۔ قدیم زمانے میں سردی سے چڑھنے والے بُخار کے علاج کی خاطر لوگ اسی درخت کی کڑوی چھال چبایا کرتے تھے۔

بلڈ شوگر کنٹرول کرنے کے لئے بھی کئی روایتی دوائیں مُفید ثابت ہوئی ہیں۔ ان دواؤں

نے چوہوں کے خون میں شوگر کو بڑی کامیابی سے کنٹرول کیا۔ جڑی بوٹیوں کی ایسی اقسام پر بھی تحقیق ہو رہی ہے۔ جو قدیم زمانے سے درد سر کے علاج میں استعمال ہوتی رہی ہیں۔ اُمید ہے کہ ان سے نئی دوائیں بنانے میں مدد ملے گی۔

جنگلات کے علاوہ صحراؤں اور بنجر زمینوں میں ایسے پودے موجود ہیں۔ جن سے دوائیں اور مفید کیمیائی اجزا حاصل کئے جاتے ہیں۔ جنگلی پودوں کی طرح انہیں بھی انسانی ہاتھوں سے خطرہ لاحق ہے۔ بنجر زمینوں میں پائے جانے والے ان قیمتی پودوں کو بے دردی سے بطورِ ایندھن استعمال کیا جارہا ہے۔

شمالی اور جنوبی کوریا میں اب ایسے پودوں کو محفوظ کرنے کی طرف توجہ دی جارہی ہے جن سے گندا بیروزہ تیار کیا جاسکتا ہے۔ یہ چھپائی کے کام کے لئے بہت عُمدہ ثابت ہوا ہے بنجر زمینوں میں سُورج مُکھی سے ملتا جلتا یہ پودا آبی ذخیروں کے بغیر ہی اگایا جاسکتا ہے۔

ارجنٹینا، چلی اور پیرو میں بھی ایسے کئی مُفید پودے ملتے ہیں جن سے کیڑے مار دوائیں بنائی جاسکتی ہیں۔ یہ دوائیں چونکہ قدرتی ہوتی ہیں اس لئے ان سے ماحول بھی آلودہ نہیں ہوتا۔

ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ہمیں قدیم زمانے میں استعمال ہونے والی جڑی بوٹیوں پر بلا تعصّب اپنی توجّہ موکوز کرنی چاہیے۔

کیڑے مار دواؤں کا زہریلا چکر!

چند سال پہلے موثر ترین کیڑے مار دوائیں ایجاد ہونے پر امریکہ سمیت پوری ترقی یافتہ دُنیا میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ اسے زراعت میں ایک عظیم انقلاب قرار دیا گیا، لیکن کچھ ہی عرصے بعد اندازہ ہوا کہ ان زہریلی دواؤں کے اثرات زرعی پیداوار میں سرایت کرکے انسانوں اور دیگر جانداروں کو بھی نقصان پہنچا رہے ہیں ان سے کئی موذی امراض جیسے سرطان، دوران خون اور جگر کی بیماریوں کے امکانات میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

امریکہ کے تعلیم یافتہ صارفین نے اس خطرے کو محسوس کرلیا۔ ان کے بروقت احتجاج پر امریکہ میں مضرت رساں کیڑے مار دوائیں استعمال کرنے پر قانون کے ذریعے پابندی لگادی گئی مگر مفاد پرست صنعت کار اور ادویہ ساز اداروں نے قانون میں یہ گنجائش رکھوالی کہ ان دواؤں کی امریکہ سے باہر فروخت پر پابندی نہ ہوگی۔ گزشتہ کئی سال سے یہ زہریلی دوائیں دُنیا کے غریب ممالک کو منہ مانگی قیمت پر فروخت کی جارہی ہیں۔ جہالت کی وجہ سے ان ترقی پذیر ممالک کے کسان اور صارفین ان کے خطرات سے لاعلم ہیں اور اندھا دُھند انہیں استعمال کررہے ہیں۔

ذہین کون؟

شمائلہ قاسم

یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی طرف اکثریت دھیان نہیں دیتی لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات چھائی ہوئی ہے کہ جو بچے اسکولوں میں کوئی پوزیشن لاتے ہیں، وہی ذہین ہوتے ہیں۔ عام طور پر ایسے جملے کانوں سے ٹکراتے ہیں کہ "ارے وہ تو بڑا کُند ذہن ہے اس دفعہ امتحانوں میں بار ہواں رینک لایا ہے۔"

جہاں تک اسکول میں پوزیشن لانے کی بات ہے تو اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثلاً کچھ بچے ذہین تو ہوتے ہیں مگر محنتی نہیں ہوتے۔ وہ اگر ایک دفعہ یا دو تین دفعہ کسی چیز کو پڑھ لیں تو انہیں یاد ہو جاتی ہے اور وہ اسے سمجھ جاتے ہیں لیکن ان کا دل پڑھنے میں نہیں لگتا۔ ایسے بچوں کو ہم "نالائق" ضرور کہہ سکتے ہیں لیکن کُند ذہن نہیں۔

کچھ بچوں کے ساتھ مجبوریاں ہوتی ہیں، مثلاً یا تو وہ بیمار رہتے ہیں یا ان کے گھر کا ماحول ناساز گار ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر پریشان ہوتے ہیں اور اپنی پڑھائی پر توجہ نہیں دے پاتے بعض دفعہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے

ٹیچرز کلاس کے پہلے دن یا پہلے ٹیسٹ کے رکس دیکھ کر ہر بچے کا ایک (Image) بنا لیتے ہیں اور ہر ٹیسٹ یا امتحان میں اسی کے حساب سے نمبر دیتے ہیں۔ کوئی بچہ اچھے نمبر لاتا ہو اور بدقسمتی سے کسی وجہ سے پہلے ٹیسٹ میں اچھے نمبر نہیں آئے تو وہ تو پورے سال کے لئے گیا کام سے۔

کچھ طالب علموں کے ساتھ یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی پوری توجہ ایک ہی مضمون پر صرف کرتے ہیں۔ سائنس سے دلچسپی ہے۔ سائنس ہی پڑھے جا رہے ہیں۔ حساب کی طرف دھیان ہی نہیں۔

نتیجہ یہ کہ وہ ناپسندیدہ مضمون میں یا تو فیل ہوجاتے ہیں یا اتنے کم نمبر لاتے ہیں کہ بمشکل پاس ہوسکیں۔ دوسری طرف پسندیدہ مضمون کے ٹیچر یہ سوچ رہے ہیں کہ اس کے نمبر کہاں سے کاٹوں ایسے بچوں سے التماس ہے کہ وہ تمام مضامین پر توجہ دیں اور اپنی ذہانت کا لوہا منوائیں۔

کچھ بچے بہت ہی زیادہ ذہین ہوتے ہیں وہ کسی دوسرے کی بتائی ہوئی بات پر یقین نہیں کرتے بلکہ وہ ہر بات کا اپنے ذہن سے نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً کلاس میں ٹیچر "نیوٹن" کے حرکت کے تین قوانین پڑھا رہے ہیں اور وہ ٹیچر کے لیکچر کو چھوڑ کر یہ سوچنا شروع کردیں گے کہ یہ قانون کیسے دریافت ہوئے ہوں گے یا اگر ہم نیوٹن سے پہلے پیدا ہوتے تو یہ قانون ہم دریافت کرلیتے، تین قوانین کے علاوہ چوتھا یا پانچواں قانون بھی ہوسکتا ہے کہ نہیں۔ اگر ہوسکتا ہے تو وہ کیا ہوگا اور وہ چوتھا قانون دریافت کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوجاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری کلاس آگے نکل جاتی ہے اور ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اس طرح بظاہر یہ ناکام ہوتے ہیں لیکن درحقیقت یہ ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ آئن اسٹائن، نیوٹن، نپولین، ولنگٹن، ڈاکٹر شالرس، ڈاکٹر کوک اور شریڈن۔ یہ سب ان لوگوں کے نام ہیں جن کے والدین اور اُستادوں کا خیال تھا کہ یہ مستقبل میں کچھ نہیں کرسکیں گے۔ یہ لوگ بارہا کلاسز سے نکالے گئے تھے۔ مگر دُنیا نے دیکھا کہ آگے جاکر انہی لوگوں نے اپنے کارناموں سے دنیا کو حیران کردیا۔ دور کیوں جائیں خود ہمارے اپنے قائداعظمؒ کے والدین بھی ان کے مستقبل کے لئے بہت فکر مند تھے کہ محمد علی کچھ پڑھ کر نہیں دیتے اسی وجہ سے وہ کبھی ان کو بمبئی بھیج دیتے یا کبھی کاروبار میں لگادیتے کہ کہیں نہ کہیں تو کچھ کرے گا بعد میں یہی قائداعظم محمد علی جناحؒ بمبئی کے مشہور وکیل بنے جنھوں نے اپنی زندگی کا صرف ایک مقدمہ ہارا تھا۔

بچوں کے والدین سے اور اساتذہ صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ بچے کی ذہانت کو "School Progress Reporte" کی کسوٹی پر نہ پرکھیں۔ بلکہ ان کی ذہانت کو مختلف طریقوں سے اُبھاریں اور اپنے بچے کو اپنی پسند کی لائن پر جانے دیں۔ ورنہ اس کی ذہانت دماغ کے اندر ہی قید ہوکر رہ جائے گی اور وہ اسے استعمال نہیں کرسکے گا اور لوگ صرف یہ کہہ کر رہ جائیں گے کہ ؎

حسرت ان غُنچوں پہ ہے جو بِن کِھلے مُرجھا گئے

وزیرِ تعلیم کی معصومیت

آصف اقبال، کراچی

ویلنگٹن میں ایک تقریب تھی۔ جس میں بڑے نامی گرامی لوگ موجود تھے۔ جرمن اور فرانسیسی وزیرِ تعلیم بھی وہاں موجود تھے۔ پاکستانی وزیرِ تعلیم بھی وہاں پہنچ گئے۔ جرمن اور فرانسیسی وزیر تعلیم محو گفتگو تھے۔ پاکستانی وزیر تعلیم نے سوچا کیوں نہ ان کی گفتگو میں شریک ہو کر پاکستان کے نظامِ تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے تجاویز حاصل کی جائیں۔ چنانچہ وہ ان کی طرف بڑھے اور رسمی سلام دُعا کے بعد پوچھا "آپ کے اعلیٰ معیارِ تعلیم کا راز کیا ہے؟"

جرمن وزیر تعلیم نے جواب دیا "اس کی کوئی خاص وجہ نہیں ..... بس ہمارے طالب علم آج کا کام کل پر نہیں چھوڑتے بلکہ آنے والے کل کا کام بھی آج ہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

پھر انہوں نے فرانسیسی وزیر تعلیم سے بھی یہی سوال پوچھا۔

انہوں نے جواب دیا "مختصر سی بات ہے ہمارے ہاں ایک کتاب میں کئی باب نہیں ہوتے بلکہ ایک باب پر کئی کئی کتابیں ہوتی ہیں۔"

اس کے بعد تینوں وزیر تعلیم اِدھر اُدھر کی گپوں میں مشغول ہو گئے اچانک جرمن وزیر تعلیم کو خیال آیا کہ پاکستان کا نظام تعلیم پست ہے کیونکہ نہ اس کی پستی کا سبب دریافت کیا جائے۔ انہوں نے پاکستانی وزیر تعلیم سے پوچھا "آپ کے یہاں نظام تعلیم خاصا پست ہے اس کی کوئی خاص وجہ؟"

پاکستانی وزیر تعلیم نے شرمندگی چھپاتے ہوئے کہا "جی دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں امتحانی پرچہ جات امتحانات کے انعقاد سے پہلے ہی آؤٹ ہو جاتے ہیں۔"

"ناقابلِ یقین .... یہ تو انتہائی حیران کن بات ہے جناب"

جرمن اور فرانسیسی وزیر تعلیم بیک وقت چلّائے۔

"حیرانگی یہ نہیں!" پاکستانی وزیرِ تعلیم نے معصومیت سے کہا۔

"حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ لڑکے پھر بھی فیل ہو جاتے ہیں!!!"

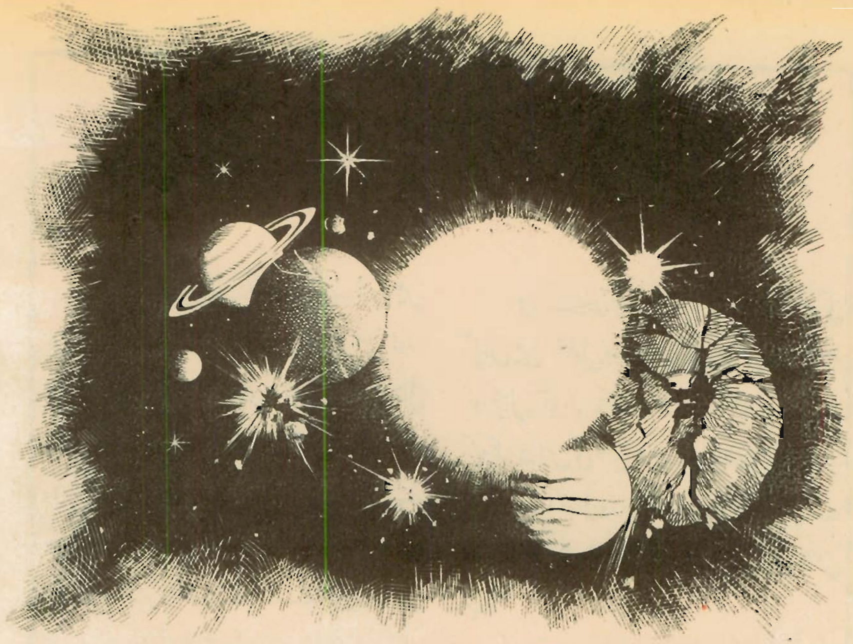

نظامِ شمسی کی موت

ذیشان احمد زکریا

ہمارے نظامِ شمسی کے تمام سیارے مسلسل سورج کے گرد طواف کررہے ہیں۔ (سورج اور سیاروں کی گردش کا یہ نظریہ سب سے پہلے پولینڈ کے رہنے والے سائنس دان کوپرنیکس نے معلوم کیا۔) سورج اور سیاروں کے درمیان کشش کی زنجیر نے ہر سیارے کو اپنے اپنے مدار پر روک رکھا ہے۔ سورج پر زندگی کا دارو مدار ہے۔ سورج نہ ہو تو دن ہو نہ رات اور نہ ہی موسم تبدیل ہوں اور نہ ہی زندگی کے لئے وہ حرارت میسّر آئے کہ جس پر حیات کا انحصار ہے۔ سورج آتشگیر مادے اور پگھلی ہوئی معدنیات کا عظیم کرہ ہے۔ اس کی سطح پر سینکڑوں میل کی بلندی تک دھکتی ہوئی بھاپ کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ جن میں لوہا، سیسہ اور دیگر عناصر ایٹم کی صورت میں موجود ہیں۔ سورج کی سطح پر نہایت گرم اور جلتی ہوئی گیسیں چھائی ہوئی ہیں جن کے مسلسل طوفان اُٹھتے رہتے ہیں۔ سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ سورج آہستہ آہستہ سُکڑ رہا ہے۔ جس سے اس کا حجم رفتہ رفتہ کم ہو رہا

ہے۔ جیسے جیسے کمی واقع ہو رہی ہے اس کا اندرونی دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔

جس طرح چراغ آخری وقت جبکہ اس کا خزانہ ختم ہو رہا ہوتا ہے تو بھڑک بھڑک کر زیادہ روشنی کا اخراج کرتا ہے جو کہ اس کے اختتام کی دلیل ہوتی ہے اسی طرح سورج میں بھی اختتام کی منزل میں جبکہ اس کا خزانہ یعنی ایٹم ختم ہو رہے ہوں گے، اتنی زبردست شعلہ فشانی پیدا ہو گی کہ جس کی حرارت سے زمین اتنی سخت گرم ہو جائے گی کہ سمندر کا پانی کھولنے لگ جائے گا۔ یعنی سمندر میں آگ لگ جائے گی۔ (جیساکہ قرآن حکیم نے اختتامِ کائنات پر زمین کی گرمی کی کیفیت کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔

واذا الجبال سجرت

(یاد کرو اس وقت کو جب سمندروں میں آگ لگ جائے گی۔) اور بالآخر زمین کا تمام خزانہ آب بخار بن کر فضا میں اُڑ جائے گا۔ اور زمین سے حیات مفقود ہو جائے گی۔ زمین جہنم کا نمونہ بن جائے گی۔ اس وقت سورج کا ایندھن ختم ہو چکا ہو گا لیکن مرتے مرتے سورج اس قدر زور سے پھٹے گا کہ اس کے زبردست دھماکے سے تمام نظام شمسی میں تہلکا مچ جائے گا۔ (قرآن حکیم نے بھی دنیا کے اختتام پر ایک زبردست آواز کا تذکرہ کیا ہے۔ یومہ یسمعون الصحیتہ بالحق "جس دن لوگ زبردست چیخ (آواز) سنیں گے۔"

سورج کے اختتام پر جب اس کی روشنی ختم ہو جائے گی اور پھر دھماکے سے پھٹ جائے گا تو وہ سلسلۂ کشش جو کہ ستاروں کو اپنے اپنے مدار و مقام پر رکھے ہوئے ہے، منقطع ہو جائے گا تو ستارے اپنے اپنے مقام پر برقرار نہیں رہیں گے۔ اس وقت پہاڑ تک روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اڑ رہے ہوں گے (جیساکہ قرآن میں ہے وتکون الجبال کالعہن المنفوش........ "اور اس دن پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔") اور بعض ستارے بھی آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ پس یہی نظام شمسی کا اختتام اور روز قیامت ہو گا۔ قرآن حکیم نے بھی قیامت یعنی نظام شمسی کے اختتام کی مندرجہ بالا آیات میں یہی منظر کشی کی ہے۔

خدائے ذوالجلال والاکرام فرماتا ہے۔

یمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات ولارض لا تنفذون الا بسلطٰن

اے گروہ جن و انس اگر تم میں قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکو تو نکل جاؤ مگر تم بغیر قوت و طاقت کے نہیں نکل سکتے۔ (الرحمٰن آیت نمبر ۳۳)

آخری بات

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جو آدمی سونے سے پہلے بستر پر قرآن کی کوئی سُورت پڑھتا ہے۔ اللہ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو ہر تکلیف دینے والی شے سے اس کو بچاتا ہے۔"

رسولؐ سونے سے پہلے قرآن کی آخری تین سورتیں قل ہواللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر سوتے تھے۔

بچّوں کو شام کے بعد گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ عشا کی نماز پڑھ کر جلدی سوجانا چاہیئے تاکہ صبح جلدی آنکھ کُھلے۔

جو بچّے رات کو جلدی سوتے ہیں وہ صبح جلدی اُٹھتے ہیں اور فجر کی نماز وقت پر ادا کرتے ہیں رسولؐ اللہ رات جلدی سونے اور صبح جلدی اُٹھنے کی عادت کو پسند فرماتے تھے۔

سونے سے پہلے وضو کرنا اچھی عادت ہے۔ اس کے بڑے فائدے ہیں ہاتھ دھونے سے میل کچیل صاف ہوجاتا ہے۔ کُلّی کرنے سے دانت صاف ہوجاتے ہیں اور منہ دھونے سے آنکھوں اور چہرے، کا گرد و غبار دُھل جاتا ہے۔

سوتے وقت اپنے جوتے چارپائی کے پاس رکھنے چاہئیں تاکہ صبح انہیں تلاش نہ کرنا پڑے۔ جوتے اور کپڑے ہمیشہ جھاڑ کر پہنیں تاکہ ان میں کوئی کیڑا نہ ہو جو نقصان پہنچائے۔ سونے سے پہلے بستر بھی اچھی طرح جھاڑ لینا چاہیئے۔

رسولؐ اللہ جب سوتے تو اپنا دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیتے اور دائیں کروٹ سوتے۔ پیٹ کے بل سونے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے

New
Prince
JUNIOR
Prince
JUNIOR
Chocolate
SANDWICH BISCUITS
LU
Prince
JUNIOR
Tutti Fruitti
SANDWICH BISCUITS
LU
انٹرنیشنل پیک
اب ساتھ رہے گا
PRINCE JUNIOR
ٹوٹی فروٹی اورچاکلیٹ
کریم بسکٹ
The French Biscuit Classics.
LU

REGD. No. SS-246 APRIL 1996
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI